دھڑکنیں
شیدا انبالوی

ہریانہ ساہتیہ اکادمی کے مالی تعاون سے شائع کی گئی

دھڑکنیں

قطعات کا مجموعہ

جو

پندرہ عنوانات کے تحت ایک ہی بحر کی مختلف شکلوں میں کہے گئے ہیں

پروفیسر شیدا انبالوی ایم۔ اے
ایچ۔ ای۔ ایس (ریٹائرڈ)

مصنّف :- پروفیسر بی۔ ڈی شیدا انبالوی ایم۔ اے

ولادت :- ۹ر اکتوبر ۱۹۱۶ء

آبائی وطن :- قصبہ مُلانہ۔ تحصیل و ضلع انبالہ (ہریانہ)

مستقل سکونت :- ۵۹۔ ماڈل ٹاؤن۔ انبالہ شہر (ہریانہ)

مجموعۂ کلام :- (قطعات) "دھڑکنیں" اکتوبر ۱۹۸۴ء

تعداد :- پانچ سَو

قیمت :- پندرہ روپے

پریس :- جمال پرنٹنگ پریس۔ دہلی

خوشنویس :- رام نارائن مستانہ۔ گورونانک پورہ۔ پانی پت (ہریانہ)

ملنے کا پتہ :-

راکیش پبلشنگ ہاؤس۔ ۵۹ ماڈل ٹاؤن۔ انبالہ شہر (ہریانہ)

دو لفظ

ہریانہ ساہتیہ اکادمی، ریاست کے ادیبوں کی ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے کام میں مصروف ہے۔ ہریانہ کے ادیبوں کو ہندی۔ پنجابی۔ اُردو اور سنسکرت میں اُن کی غیر مطبوعہ تخلیقات کو شائع کرنے کے لئے اکادمی مالی امداد بھی دیتی ہے۔

اِسی سکیم کے تحت جناب بی۔ ڈی شیدا انبالوی کے شاعری مجموعہ "دھڑکنیں" کو شائع کرنے کے لئے بھی مالی امداد دی گئی ہے۔

اُمید ہے کہ اُردو میں شغف رکھنے والے اہلِ ذوق اِسے پسند فرمائیں گے۔

او۔ پی بھاردواج
(آئی۔ اے۔ ایس)
ڈائریکٹر
ہریانہ ساہتیہ اکادمی چنڈی گڑھ

ترتیب

والدِ محترم کیشو رام صاحب مرحوم

نذر

والدِ محترم

کیشو رام صاحب

کی

روح کے نام

جن کی بے پناہ شفقت نے مجھے اِخلاص، محبت

اور محنت کا احساس عطا فرمایا۔

خاکِ پا

شیدا اقبالوی

کلامِ شیدا انبالوی

(علامۂ دہر حضرت قیس جالندھری)

(۱)

ہر نقطۂ شیدا ہے فصاحت کا نشاں
ہر جملۂ شیدا ہے بلاغت کا نشاں
ہر نکتہ ہے سو نکتوں کا حامل اے قیس!
ہر نکتۂ شیدا ہے صداقت کا نشاں

(۲)

ہر شعر میں ہے لذتِ تیر و نشتر
ہر مصرعِ موزوں ہے مثالِ خنجر
ہر لفظ ہے یا گنجِ معانی اے قیس!
ہر قطعہ ہے یا علم و ہنر کا دفتر!

(۳)

الفت کا فسانہ ہے کلامِ شیدا
جنت کا ترانہ ہے کلامِ شیدا
دولت ہے یہ عرفاں کی سراسر اے قیس!
حکمت کا خزانہ ہے کلامِ شیدا

(۴)

دیکھے تو کوئی قیس! یہ اندازِ بیاں
ہوتے ہیں مشاہیر بھی جس پر حیراں
ہر پہلو سے کامل ہے کلامِ شیدا
تسلیم اسے کرتے ہیں سب اہلِ زباں

شیدا انبالوی

رُبعیہ

"دھڑکنیں"

جناب
لبسیم حیرتی
رام نگری

(۱)

"دھڑکنیں" ہیں کہ دل آویز پیامِ شیدا
اے لبسیم! اِس پہ صد آداب بنامِ شیدا
لوگ شیدا ہوئے جاتے ہیں اِسے پڑھ سُن کر
اللہ اللہ یہ کراماتِ کلامِ شیدا

(۲)

کتنی وجد آگیں ہیں۔ اے شیدا! یہ تیری "دھڑکنیں"!
لائقِ تحسیں ہیں۔ اے شیدا! یہ تیری "دھڑکنیں"
تشنگانِ شاعری کے حق میں واضح طور پر
باعثِ تسکیں ہیں۔ اے شیدا! یہ تیری "دھڑکنیں"

(۳)

ندرت بھی۔ کیف بھی۔ تاثّر بھی
خوبیاں ہیں کلامِ شیدا کی
"دھڑکنیں" ہے وہ بے نظیر کتاب
جھوم اُٹھیں گے ادب کے شیدائی

(۴)

کیوں نہ شیدا کی "دھڑکنیں" ہوں نفیس؟
اُن کے دل میں ہے جذبۂ تدریس
قطعہ قطعہ ہے ایک درس۔ لبسیم!
اِس پہ طُرّہ کہ ہے زباں بھی سلیس

شیدا انبالوی "دھڑکنیں" کے آئینے میں

(سید حسن عباس صاحب ایم۔ اے گوپال پوری (بہار سٹیٹ)

شیدا انبالوی اُن کہنہ مشق شاعروں میں سے ایک ہیں جنھوں نے مختلف اصنافِ شاعری پر نہ صرف طبع آزمائی کی ہے۔ بلکہ فن کے بے شمار نمونے بھی پیش کئے ہیں۔ پیشِ نظر مجموعہ "دھڑکنیں" صرف قطعات پر مشتمل ہے۔ ایسے شاعروں کی کمی نہیں۔ جنھوں نے قطعے کہے۔ مگر ایسے شاعروں کی یقیناً کمی ہے جو قطعہ گوئی کے فنی لوازم اور اِس صنفِ سخن کی دیگر جزئیات سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ اِس کے لئے موضوع کا انتخاب، لفظوں کا در و بست، مناسب تخیل، محاکات کا لحاظ، معانی کا خیال اور سب سے بڑھ کر "سلیقہ شعاری" کے ساتھ بیان و اظہارِ بیان پر گرفت ۔۔۔ کیونکہ قطعہ میں وہ تمام موضوعات و مضامین پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جو کسی نظم یا مضمون میں بیان کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اشعار کی تعداد کی کوئی قید نہیں۔ ہاں کم از کم دو اشعار ضرور ہوں۔ اب اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس صنفِ شاعری کا پیمانہ باعتبارِ ہیئت اِس قدر مختصر ہو کہ اس کے لئے موضوع اور بیان کی کس قدر اہمیت ہو جاتی ہے۔ پھر قطعہ گو شاعری کی "سلیقہ شعاری" پر بات آ کر ٹھہرتی ہے کہ اِس نے کس موضوع کو کس طرح سمجھا ہے اور کس طرح پیش کیا ہے۔ اِس صنفِ سخن کی جان یہی "غور طلب پہلو" ہے۔ اگر قدرتِ بیان میں کچا پن یا اوچھا پن ہے تو اچھے مضمون کا بھی خون ہو کر رہ جائے گا۔

شیدا انبالوی مدت دراز سے گیسوئے شاعری سلجھاتے رہے ہیں اور انھوں نے نہ صرف غزلیں یا نظمیں ہی کہیں بلکہ قطعات بھی خوب کہے ہیں۔ اس مجموعے میں (جو صرف قطعوں پر مشتمل ہے) ہر طرح کے موضوعات اور ہر رنگ کے مضامین سے

متعلق قطعات شامل ہیں۔ یہاں آکر جب ہم سوچتے ہیں تو پہلی اہم بات یہ سامنے آتی ہے۔ کہ اس صنفِ شاعری کا پیمانہ موضوعات کے اعتبار سے کس قدر وسیع اور متنوع ہے۔ اس میں رِندی و سرمستی، زُہد و تقویٰ، کفر و ایماں، حسن و عشق، ہجر کی باتیں، وصال کی یادیں، انتظار کے کچوکے، غمِ روزگار کے دھچکے، عرفان و آگہی کی گتھیں، حق بینی و حق نگاری کی راہیں، خودی کا مفہوم، استغناء و معرفت کے رموز، ایقان کی منزلیں، حیات و کائنات کے مناظر، انسانی تجربات، انسانیت کی تبلیغ، قومیت کا شعور، وقائع نگاری اور مرقع نگاری، منظر کشی اور مصوّری، رمز و ایما، وضاحت و صراحت، جذبے کی شدّت اور خلوصِ مقصد ــــ سب کچھ ملتا ہے۔ رشیدؔ انبالوی نے فکر و نظر کے باریک روزنوں سے زندگی کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگر انہوں نے ایک طرف انسانیت کی حمایت میں آواز بلند کی ہے تو دوسری طرف مفلوج معاشرے کو صالح اور توانا بنانے کی پُرخلوص کاوش بھی کی ہے۔ شاعری کا مقصد کسی بھی طرح صرف تفریحِ طبع یا وقت گزاری کا مشغلہ نہیں ہے یہ "دلی جذبات" کا شاعرانہ اظہار ہے۔ بقول مولانا صفیؔ لکھنوی ــــ

شاعری کیا ہے؟ دلی جذبات کا اظہار ہے
دل اگر بے کار ہے تو شاعری بے کار ہے

اور شاعر ان دلی جذبوں کو زبان عطا کرتا ہے۔ شعر کا لباس دیتا ہے اور شعر ذہن کی تیزی، دل کی شگفتگی، روح کی بیداری، اخلاق کی استواری (؎۱) میں معاون ہوتا ہے۔ بقول پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب ــــ

"شاعری بے حس قوموں کو چونکاتی ہے۔ سوتے احساس کو جگاتی ہے، مُردہ جذبات کو جِلاتی ہے، دلوں کو گرماتی ہے، حوصلوں کو بڑھاتی ہے، مصیبت میں تسکین دیتی ہے، مشکل میں استقلال سکھاتی ہے، مگر سے ہوتے

اخلاق کو سنوارتی ہے اور گری ہوئی قوموں کو اُٹھا لیتی ہے۔" ؎۲

جب ہم اس موڑ پہ پہنچتے ہیں تو ولیم بلیک کے یہ الفاظ کانوں میں گونجنے لگتے ہیں "محدود شاعری انسانی نسل کو بھی محدود کر دیتی ہے۔ قومیں اسی نسبت سے ترقی کرتی یا برباد ہوتی ہیں۔ جس نسبت سے اُن کی شاعری ترقی یا بربادی کی طرف جاتی ہے۔"

بقول ڈلنسٹے "کسی شعر کا بہترین مقصد یہ ہے کہ وُہ ان لوگوں کو جو بُرے عالم میں ہوں اس سے نجات دے اور مسرت و طرب کی طرف رہبری کرے۔"

تاریخ میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں کہ شاعروں نے مُلک و قوم کی قسمت کو بدل کر رکھ دیا۔ اُنھوں نے اپنی شاعری سے وُہی کام لیا۔ جو اسلحہ سے لیا جا سکتا تھا۔ اسلحہ ذہنوں کی تیزی اور تہذیب و ترتیب پر آمادہ تو نہیں کر سکتا لیکن شاعری وُہ اسلحہ ہے۔ جو ذہن کو نہ صرف محفوظ ہی رکھتا ہے بلکہ اسے تیزی اور طرفگی سے ہم کنار بھی کرتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ شعر جذبات کو مُردہ ہونے سے روکتا ہے اور "شعر و ادب کا تعلق محض جذبات و احساسات سے ہے"۔ چُوں کہ میں ادب برائے زندگی کا قائل ہوں۔ اِس لئے ادب میں مقصد کی تلاش پر زور دیتا ہوں لیکن ادب کو محض مقصد ہی نہیں سمجھتا۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ جب شعر و ادب نے براہِ راست زندگی کو نئے موڑ سے ہم کنار کیا اور شاعروں اور ادیبوں نے زلف و کمر اور چشم و ابرو کے استعاروں کے حصار سے نکل کر زندگی کو اُس کے حقیقی رنگ میں دیکھنے کی کوشش کی اور اُس کی پیش کش میں بھی حقیقت اور واقفیت شعاری سے کام لیا۔ مجھے لفظی صنعت گری اور شاعرانہ تخیلات سے انکار نہیں۔ مگر شاعری کو محض صنعت گری میں محدود کر دینا غلط ہے اس سے نہ صرف حقیقت سے رُوگردانی اور چشم پوشی کی راہ پیدا ہوتی ہے بلکہ زندگی کو فرار کے رستے پر گامزن ہو جانے کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

شیدا انبالوی نے اپنے قطعوں میں ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نہایت عام فہم شاعری کا نمونہ پیش کیا ہے اور ایسا بھی نہیں کہ اُن کی یہ شاعری ہمارے جذبات اور احساسات سے اُلجھی ہو۔ اِس کا مطالعہ ہمارے جذبوں کو تہذیب اور خیالات کی توسیع میں مدد کرتا ہے۔ اُنھوں نے زندگی

---

۱ و ۲ ؎ ہماری شاعری۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب صفحہ نمبر ۲۳ و نمبر ۲

کو جس رنگ میں دیکھا ہے ۔ اُس کی ہُو بہُو تصویر پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے ۔ شاعر لنہ صلاحیتوں اور قوّتوں کے اظہار کے بجائے وہ چاہتے ہیں ۔ کہ انسان اتنا باکمال ہو کہ اُسے اپنے فوقُ البشر ہونے کا احساس ہو جائے ۔ انسان کی فطرت میں قدرت نے جو قوتیں ودیّت کی ہیں ۔ اگر انسان اُن کا استعمال جان لے تو یقیناً وہ کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے ۔ ورنہ بقول شیدا ؔ عہ "آسماں پر بھی خاک اُڑائے گا"

لفظوں کے انتخاب اور استعمال کا شعور بھی اُنھیں خوب آتا ہے ۔ اس قطعہ میں لفظی ترکیبوں اور دوسرے قطعوں میں لفظی تلازمات سے خوب فائدہ اُٹھایا ہے ؎

انتظار ، اضطراب ، رنج ، ملال ۔ ہجر کی سختیاں ؟ ارے توبہ !
درد ، اندوہ ، سوز ، قہر ، عذاب ۔ عشق کا امتحاں ؟ ارے توبہ !

زیست کی کشمکش سے تنگ آکر ۔ آدمی موت کو بُلاتا ہے
کون سا غم اُسے نہیں کھاتا ؟ ۔ کون سا غم نہیں وہ کھاتا ہے ؟
کیا بھروسہ ہے عمرِ فانی پر ؟ ۔ کیا بھروسہ ہے عمرِ فانی کا ؟
اعتبار اور زندگانی پر ؟ ۔ اعتبار اور زندگانی کا ؟

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے شیدا نے رموزِ فطرت اور حیات اور کائنات کے اسرار کو جن نگاہوں سے دیکھا ہے ۔ اُن کی شاعری اس کا شاعرانہ اظہار ہے ۔ وہ اپنی شاعری سے متعلق خود کہتے ہیں ؎

مجھ سے کچھ بھی نہیں ہے پوشیدہ ۔ رازدانِ رہِ حیات ہوں میں
مجھ پہ روشن جلی خفی اسرار ۔ ترجمانِ صفات و ذات ہوں میں

ایک دوسرے قطعہ میں اپنی شاعرانہ خصوصیات کا اس طرح بیان کیا ہے ؎

اہلِ فن معترف ہیں ۔ میرا کلام ۔ حاملِ ندرت و لطافت ہے
شاعری میری ، حضرتِ شیدا ! ۔ سادگی ، جوش اور جدّت ہے

اُن کا یہ کہنا کہ اُن کی شاعری سادگی، جوش اور جدّت ہے۔ کچھ بے جا نہیں ہے۔
اب چند متفرق موضوعات سے متعلق شیدا کے کچھ قطعات کا ذکر ہو جائے۔

۱۔ شیدا نے مختلف سربرآوردہ اشخاص سے متاثر ہو کر اشعار کہے۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزاد، شہیدِ اعظم بھگت سنگھ، مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو وغیرہ سے متعلق اُن کے قطعات قابلِ توجّہ ہیں۔ اِن میں نہ صرف یہ کہ ایک بڑی شخصیت سے متاثر ہو کر عقیدت مندی کے جوش میں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے بلکہ وطن پرستی کے جذبے کو بیدار کرنے اور حُب الوطنی اور انسانیت کی صالح روایات کی تجدید بھی ملتی ہے تاکہ نئی نسل ان سورماؤں اور باکمال لوگوں کے بارے میں کچھ جان سکے یہ رہنمایانِ قوم و وطن انسان کی عظمت اور اس کی حقیقت و حیثیت کو لوگوں پر واضح کرتے رہے ہیں۔
شیدا نے ان سے متعلق درج ذیل قطعوں میں کس خوبی سے اظہارِ خیال کیا ہے ؎

مہاتما گاندھی

غیر سے بھی تجھے محبت تھی
دشمنِ جاں سے بھی مروّت تھی
اِس حقیقت میں ہے کسے انکار؟
تجھ کو نفرت سے سخت نفرت تھی

جواہر لال نہرو

کب تھے مرغوب تجھ کو جنگ و جدل؟
تُو فقط صلح کا پیامی تھا
جس کے قائل ہیں مشرق و مغرب
تُو اُس انسانیت کا حامی تھا

مولانا ابوالکلام آزاد

فاضلِ جیّد اور بحرِ علوم
جس کے عرفاں کی شرق و غرب میں دھوم
معترف جس کے فارس و یونان
معتقد جس کے مصر و شام و روم

شہیدِ اعظم بھگت سنگھ

وہی سردار جس کو دار نصیب
ہو جسے جان سے عزیز صلیب
زیست کو کھیل جو سمجھتا ہو
موت جس کے لئے نہیں ہے مہیب

درج بالا قطعوں سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ شیدا اُن مقدّس اور قابلِ تقلید ہستیوں کے اعمال و افکار کو پیش کر کے محبّت اور اخوّت، بھائی چارگی، وطن پرستی، دلیری اور جانبازی، علم و اخلاق، اور حصولِ مقصد کے لئے جدوجہد اور کدوکاوش کا

پیغام پہنچانا چاہتے ہیں۔ جو بہرحال ایک نیک اور قابلِ تعریف کام ہے۔

۲۔ اسی طرح شیدا نے اُردو شاعری کے ایوانوں کا ذکر کر کے ہمیں اُن کے کارناموں سے رُوشناس کرانے کا اہم فریضہ انجام دیا ہے۔ اُن کی قادر الکلامی کا اندازہ اِس سے بھی بخوبی ہوتا ہے کہ اُنھوں نے چار مصرعوں میں بتیس شعرا کا ذکر کر ڈالا ہے ؎

دردؔ۔ آتشؔ۔ امیرؔ۔ میرؔ۔ انشاؔ ذوقؔ۔ غالبؔ۔ سرورؔ۔ داغؔ۔ اقبالؔ

جوشؔ۔ آذرؔ۔ وفاؔ۔ جگرؔ۔ محرومؔ نوحؔ۔ اخترؔ۔ نسیمؔ۔ ابرؔ۔ کمالؔ

سب کے سب تھے یہ بے مثال اُستاد

کوئی لائے کہاں سے ان کی مثال؟

جوشؔ ملسیانی

اُن کے قدموں سے جو محبت ہے جانتا ہے مرا ہی دل شیداؔ!

جوشؔ صاحب سے جو عقیدت ہے؟ کیا کرے گی بیاں زبانِ قلم

اپنے اُستادِ محترم، قبلہ جوشؔ ملسیانی مرحوم سے متعلق یہ قطعہ شیدا نے اُنھیں خراجِ عقیدت اور اُن سے اپنی محبّت کو واضح کرنے کے لئے قلم بند کیا ہے۔ یا ان کے اس بے پایاں خلوص کی قدر کرنی چاہیئے۔

۳۔ شیدا انبالوی کے قطعات میں کچھ قطعے "رندی و سرمستی" کے عنوان سے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ موضوع اُردو شاعری کا ایک محبوب اور پسندیدہ موضوع ہے تقریباً خمریات کا ذکر ہر جگہ کیا گیا ہے۔ لیکن قطعوں میں اس کی پیش کش شیدا نے جس خوبصورتی سے کی ہے دُوسروں کے یہاں اس کی مثال کم یاب ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

ساقیا! شیخِ محترم کے لئے جام صِرف ایک جام رُوح فزا

مضطرب ہے وہ جامِ جم کے لئے کیوں نہ کھل جائے اُس کی آنکھ یہیں

ذرا بے باکی اور بے خوفی دیکھیئے ؎

صبح پیتا ہوں، شام پیتا ہوں ۔۔۔ مے رنگین کا جام پیتا ہوں
میری رندی بھی حق پرستی ہے ۔۔۔ لے کر اللہ کا نام پیتا ہوں

اس قطعہ میں دیکھیے کیا لطیف اندازِ بیان ملتا ہے ؎
غم غلط کرتی، کیفِ برساتی ۔۔۔ اُٹھی ہے مے کش گھٹا ہمالہ سے
ساقیا! تو بھی اُٹھ۔ اُٹھا ساغر! ۔۔۔ بترے مے خوار اور یوں پیاسے؟

۴۔ شیدا اپنے فرائضِ منصبی سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اُن جیسے لوگوں کا کام کیا ہے؟ اس لیے وہ عزمِ محکم اور قوتِ ارادی کے استعمال کی تلقین کرتے ہیں ؎

عزم پختہ، یقین کامل کو ۔۔۔ کوئی مشکل کبھی نہیں مشکل
جذبِ جوشِ عمل سے زیرِ قدم ۔۔۔ کھنچ کے آتی ہے خود بخود منزل
ہے مقدر اُنہیں کو ناکامی ۔۔۔ جو رہیں اپنے فرض سے غافل

نصیحت کا جو انداز شیدا نے اختیار کیا ہے، وہ بے حد دل پذیر ہے۔ اس سے ذرا بھی احساس نہیں ہونے پاتا کہ شاعر کسی خاص کام کے سلسلے میں نصیحت کر رہا ہے۔

۵۔ منظر کشی اور مناظرِ فطرت کی عکاسی میں بھی شیدا نے اپنی جولانیٔ طبع اور قادر الکلامی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ صرف دو قطعے ملاحظہ ہوں ؎

جس طرح بطنِ ظلمتِ شب سے ۔۔۔ صبح تو آشکار ہوتی ہے
اُس طرح پردۂ خزاں سے عیاں ۔۔۔ روحِ فصلِ بہار ہوتی ہے
یہ ہوا، یہ رُت اور یہ ساون! ۔۔۔ ناچتی ہے بہار پھولوں میں

لوک گیتوں کی جیسے مست ندی　　گارہی ہو "ٹھہاؤ" جھولوں میں

۶۔ ان تمام باتوں سے الگ شیدا موجودہ دور کی زندگی اور حالات و واقعات سے بے خبر نہیں۔ اُنہوں نے اپنے اردگرد کے واقعات و حالات کا مشاہدہ باریک بینی سے کیا اور اخذ شدہ تاثرات کو اپنے لفظوں کے ذریعے پیش کیا جس میں حقیقت پسندی کا رجحان غالب ہے۔ مادہ پرستی کے اس دور نے جس طرح انسان کو انسان سے دور کر دیا۔ رشتوں، ناطوں کے تصورات سے ماوری ایک الگ دنیا بنادی گئی ہے۔ دوستی، ایثار، وفا، قربانی وغیرہ کے وہ جذبات جو پہلے تھے اور اب مردہ ہو چکے ہیں۔ شیدا صاحب یہ سب کچھ دیکھ کر تڑپ جاتے ہیں۔ ان کی اس تڑپ اور ان کے اس درد کا اندازہ صاحبِ دل اور حساس لوگ ہی لگا سکتے ہیں وہ کہتے ہیں ؎

کس کو اپنا کہے کوئی؟ شیدا!　　کون اب کس کے کام آتا ہے؟
آدمی، آدمی کا ہے دشمن　　آدمی، آدمی کو کھاتا ہے

لب پہ دعوے وفا کئے الفت کے　　دل میں کینہ، کدورت اور حسد
آخر اس مکر سے، ریا سے حصول؟　　آخر اس مکر کی، ریا کی حد؟

وہ صداقت نہ وہ شرافت ہے　　وہ مروت، نہ وہ اخوت ہے
انقلابِ جہاں؟ خدا کی پناہ!　　اب محبت بھی اک سیاست ہے

کام پڑ جاتا ہے تو، اے شیدا!　　دوست آنکھیں چرانے لگتے ہیں
ٹوٹ پڑتی ہے جب کوئی آفت　　سبھی دامن بچانے لگتے ہیں

۷۔ عشق و عاشقی اور غمِ جاناں سے کوئی دل خالی نہیں "محبت ایک عبادت ہے" کے سلسلے کو اس قدر طول دیا گیا کہ اب یہ "عادت" میں شمار ہونے لگا۔ اردو شاعری اس سے خالی نہیں اور نہ ہی اردو شعراء نے اس موضوع پر اظہارِ خیال کرنے سے احتراز کیا۔ بلکہ خوب چٹخارے لے لے کر اسے بیان کیا ہے
شیدا صاحب کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو ؎

اللہ اللہ، وہ چشم مستی یارا! جیسے خیام کی رُباعی ہو
اللہ اللہ وہ لذتِ گفتار! جیسے غالب کی نغمہ سنجی ہو

معشوق کے وعدوں کے بیان میں شیدا نے بڑا ہی نازک اور لطیف پہلو تلاش کیا ہے ؎

اُن کے وعدے ہیں رِندکی توبہ پھر بھی میں اعتبار کرتا ہوں
جانتا ہوں کہ وہ نہ آئیں گے پھر بھی میں انتظار کرتا ہوں

۸ - آج "فرد" اور تحفظِ ذات کا مسئلہ جس قدر ادب میں سرایت کر گیا ہے اِس سے کوئی بھی فن کار خود کو محفوظ نہیں کر سکا اور حالات کے دھارے میں بہتا چلا گیا۔ شیدا کا ایک قطعہ پیش کر رہا ہوں ؎

کوئی دیکھے تو بے بسی میری - ایک تصویر بے کسی ہوں میں
آنکھ دیوار و در چرانے لگے - اپنے ہی گھر میں اجنبی ہوں میں

آج کی نئی شاعری کے سلسلہ میں بھی شیدا کے خیالات بالکل واضح اور صاف ہیں ؎

کیا قواعد ہیں؟ کیا اصولِ عروض؟ آج کی شاعری یہ کیا جانے؟
تجرباتِ جدیدیت، شیدا! کل کہاں پہنچیں؟ یہ خدا جانے!
انگلیاں اُٹھتی ہیں فصاحت پر مضحکہ اُڑتا ہے بلاغت کا
آج کی شاعری میں نام کہاں جوش کا، سادگی کا، جدت کا؟

۹ - شیدا کی شاعری کی سب سے اہم خوبی اُن کا لطیف طنز- اور طنز میں ڈوبے خوبصورت مصرعے ہیں۔ طنز کی یہ لطافت اور ندرت ہمیں کچھ اور ہی سوچنے پر مجبور کرتی ہے لیکن اِس کی دل رُبائی سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ؎

اُف یہ طوفانِ رنگ و بُو و جمال اب تو ساغر میں آفتاب آ ئے
شیخ صاحب بھی جلوہ فرما ہیں ساقیا! کیوں نہ اب شراب آئے؟
لو وہ اُٹھی حرم سے کالی گھٹا شیخ جی! اب حرام بھی ہے حلال
آئیے اِ مے کدے سے ہو آئیں کتنا اچھا ہے! کتنا نیک خیال!

شیدا انبالوی نے اپنے قطعوں کی جس طرح مختلف النوع مضامین اور موضوعات سے آئینہ بندی کی ہے وہ لائقِ ستائش ہے۔ اُن کی شاعری نُرارمان دل کی ترجمانی ہے اُنھوں نے صاف و سادہ

اور عام فہم طریقے سے ہمیں نئی نئی معلومات دینے کی کوشش کی ہے جس سے ہمارے احساسات و جذبات کی تہذیب و ترتیب بڑے اچھے ڈھنگ سے ہو سکے گی۔ اُن کے بعض بعض مصرعے دِل کو چھو لیتے ہیں اور اُن کی شاعرانہ عظمت دل میں جاگزیں ہونے لگتی ہے، مثلاً

۱۔ اب تو ساغر میں آفتاب آئے

۲۔ تیرے مے خوار اور یوں پیاسے ؟

۳۔ میری رِندی بھی حق پرستی ہے

۴۔ میرے سینے میں داغ جلتے ہیں

یہ اور اِن سے بھی کئی بہتر مصرعے اس مجموعے میں ملیں گے، جہاں آپ کی نگاہیں رُک جائیں گی اور آپ بغیر تعریف و تحسین کے آگے نہیں بڑھ پائیں گے۔

ذرا شیدؔا صاحب کی زندہ دلی بھی ملاحظہ فرمائیے ؎

زخم کھا کر بھی مسکراتا ہوں ۔ مسکرا کر بھی زخم کھاتا ہوں

سازِ رنج و الم کے تاروں پر ۔ مَیں مسرت کے گیت گاتا ہوں

اِس مختصر سے جائزے سے مجھے یقین ہے کہ آپ شیدؔا انبالوی کی قطعہ گوئی سے متعلق واقف ہو چکے ہوں گے۔ وُہ ایک مستند شاعر ہیں اور اُن کی شاعری سے بخوبی معلوم ہوتا ہے، کہ شیدؔا صاحب نے ریاضِ سخن میں ایک مدّت بسر کی ہے، مجھے یقین کامل ہے کہ ان کے قطعوں کے مطالعہ سے زندگی کے بہت سے پہلو روشن ہو جائیں گے۔ ایک باکمال شاعری کی کامیابی کی یہی دلیل ہے کہ اُس نے فن کے جو نمونے پیش کِئے ہیں۔ اُن میں کتنی سچائی اور حقیقت پائی جاتی ہے۔ اور اس سچائی اور حقیقت کی تلاش آپ کو کرنی ہے۔

۱۸ فروری ۱۹۸۷ء

شیدا انبالوی کی شاعری

(پرنسپل للت موہنی ایم اے (انگلش) ایم ۔ اے (اُردو)

آپ اپنا جواب ہیں یکسر
خوش بیانی ہیں حضرتِ شیدا
ساتھ ہی لاجواب ہیں یکسر
تر زبانی ہیں حضرتِ شیدا

وہ علیم اصولِ علم و فن
اُن کا ہمسر نہیں فصاحت میں
منکشف اُن پہ سب رموزِ سخن
اُن کا ہمسر نہیں بلاغت میں

شاعری اُن کی غیر فانی ہے
اُن کے دم سے ہے شانِ بزمِ ادب
اُن کا ہر شعر جاودانی ہے
اُن کی ہستی ہے جانِ بزمِ ادب

اُن کا انداز اپنا ہی انداز
اُن کی آواز پُر کشش آواز
اُن کے فکر و نظر فلک پرواز
لفظ و معنی ہیں درد، سوز، گداز
ہر "غزل" شاہکار ناز و نیاز
اور ہر "نظم" ہر طرح ممتاز
ہر "ترانہ" بلا کا نغمہ نواز
اور ہر "قطعہ" سر بسر اعجاز

ہیں رُباعی کے خاص ماہر بھی
وہ ہیں شاعر بھی اور ساحر بھی

شیدا انبالوی کی "دھڑکنیں"

(ڈاکٹر سید علی عباس ایم۔اے ایل۔ایل۔بی، پی۔ایچ۔ڈی بہار یونیورسٹی مظفر پور)

جناب شیدا انبالوی کے قطعوں کے مجموعے سے پہلے اُن کے دو مجموعے "دِل کی آواز" اور "وقت کی آواز" پڑھنے کا اِتفاق ہوا۔ موصوف نے پرانے رنگ میں بہترین شاعری کا نمونہ پیش کیا ہے۔ کلام موثر اور مقصدی ہے۔ اس کے مطالعہ سے کم از کم ایک معمولی قاری بھی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ شیدا صاحب بنیادی طور پر وطن پرست اور اِنسان دوست شاعر ہیں۔ جن کی شاعری کا صحیح مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اُس میں ہر وہ چیز مِل جاتی ہے۔ جو ایک اچھی اور سچی شاعری کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ صاف ستھرے اَلفاظ میں واضح اور دِل کش طریقے سے کسی بھی موضوع کو پیش کرنے میں شیدا صاحب نے کمالِ ہنر مندی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

پیشِ نظر مجموعہ (قطعات) "دھڑکنیں" نہ صرف یہ کہ شیدا صاحب کی ہمہ جہت سخن گوئی کی مثال ہے بلکہ اُردو قطعہ نگاری کی روایت کی مستحکم اور متوازن توسیع بھی ــــــ کیوں کہ اُردو میں قطعہ نگاری کی روایت کمیت کے اعتبار سے چاہے جیسی رہی ہو مگر کیفیت کے لحاظ سے کسی بھی طرح (دوسری اصنافِ سخن کے مقابلہ میں) نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ شیدا صاحب نے قطعہ گوئی میں بے مثال فوقیتِ شاعری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اُن کی شاعری صاف و سادہ مگر اثر انگیز اور دل پذیر ہے۔ اُن کے قطعات میں بھی اُن

کا منفرد رنگ و آہنگ برقرار رہے۔ شاعرانہ اعتدال اور استحکام کی بھی یہ
ایک اچھی مثال ہے۔ جن پاک و صاف موضوعات پر شیدا انبالوی نے
اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا ہے اگرچہ اُن موضوعات پر شعرائے ماسبق
نے بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن اِن کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے موضوعات
کے تقریباً تمام پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھ کر چند مصرعوں میں ایک واضح نصب العین
یا نتیجہ کی وضاحت کی ہے۔

شیدا صاحب کے یہ قطعات یقیناً اُردو قطعہ نگاری کی روایت کو
مستحکم بنانے اور عصرِ حاضر کے شعراء کو اِس طرف متوجہ کرنے کی بہترین
کاوش ہیں۔ توقع ہے کہ اِن کا یہ مجموعہ اُردو شاعری کی دُنیا میں قدر کی
نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اِس کی پذیرائی بھی اُسی طرح ہو سکے گی جس
طرح اِن کے دوسرے مجموعوں کو سراہا گیا ہے۔

۱۹ر فروری ۱۹۸۴ء

بنارسی داس شیدا

(در صنعتِ توشیح)

(دگیان چند صاحب منصورؔ)

ب — با خبر ہے وہ حُسن و خُوبی سے
ن — نہیں پوشیدہ اُس سے عیب و نقص
ا — اہلِ فن کی نظر میں اُس کا کلام
ر — روح کا نغمہ ہے ۔ ضمیر کا رقص
س — سادگی ۔ جوش ۔ جدّت اور آمد
ی — یہ دَم اُس کے سخن کا بھرتے ہیں
د — دہر کے سب محقق و نقّاد
ا — اُس کا خُوب احترام کرتے ہیں
س — سچ ہے "وقت" اور "دل" کا شاعر ہے
ش — شاعرِ خوش بیان و خوش تخیّل
ی — یاد ہیں اُس کو سب نکاتِ سخن
د — دورِ حاضر میں اُس کی ہر تخلیق
ا — اہلِ فن کی نظر میں پیکرِ فن

شیدا انبالوی کے ادبی شاہ کار

(مہندر پرتاپ صاحب چاند ایم ۔ اے)

رُوح پرور تھی "وقت کی آواز"
"دِل کی آواز" بھی تھی رُوح نواز
اِن پہ قربان غیب کی آواز
جاں نثار اِن پہ جانِ سوز و ساز
ہیں نوائے سروش سے بھی سوا
"دِل کی آواز"۔ "وقت کی آواز"
"دھڑکنیں" ہیں بھی نغمہ پیرا ہے
دِل کشا ۔ جاں نواز رُوح کا ساز
کیوں نہ ہو ان پہ ناز شیدا کو؟
مایۂ ناز اُن کا ہر انداز!

اظہارِ تشکر

"وقت کی آواز" اور "دل کی آواز" کی اشاعت کے سلسلے میں حضرات تاجور نجیب آبادی۔ اختر۔ سحر عشق آبادی۔ وفا۔ ساحر۔ ابر احسنی۔ شمیم۔ حفیظ بناری۔ انور۔ جاوید وششٹ اور قیس جالندھری نے میرے کلام کے متعلق جو اظہارِ خیالات فرمایا، میں اس کا اہل تو نہیں ہوں لیکن دل سے شکر گزار ضرور ہوں۔ علاوہ بریں اُن اخبارات کا بھی جنھوں نے ان کتابوں پر تعریفی تبصرے کیے نیز اُن احباب کا جنھوں نے ذاتی طور پر خطوط لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی۔

اب میں اپنا تیسرا مجموعۂ کلام "دھڑکنیں" پیش کر رہا ہوں جو ایک ہی بحر کے قطعات کی مختلف تشاکیل پر مشتمل ہے۔ میں تہ دل سے اُن شعرا اور اُدبا کا ممنونِ کرم ہوں جنھوں نے نظم اور نثر میں "دھڑکنیں" کی تعریف کی ہے اور میرے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کرم فرماؤں میں حضرات قتیل۔ نسیم۔ منصور۔ چاند۔ پتاشا۔ للت موہنی۔ سید احسن عباس اور ڈاکٹر علی عباس شامل ہیں۔ اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں علامہ قیس جالندھری کے قیمتی مشوروں کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس کتاب کی اشاعت کے لئے "ساہتیہ اکادمی ہریانہ" چنڈی گڑھ نے اپنے اشاعتی پروگرام کے تحت جو گراں قدر مالی امداد عطا کی ہے۔ اُس کے لئے میں اکادمی کا متشکر ہوں۔

رشید انبالوی

"وقت کی آواز" اور "دِل کی آواز"

"دھڑکنیں" سے قبل پروفیسر شیدا انبالوی صاحب کے کلام کے دو مجموعے "وقت کی آواز" اور "دل کی آواز" شائع ہو چکے ہیں۔ "وقت کی آواز" اُن کی تعمیر و ترقی اور وطن پرستی کی نظموں کا مجموعہ ہے، جبکہ "دل کی آواز" غزلوں اور رومانی نظموں کا مجموعہ۔ یہ دونوں مجموعے اُردو ادب کی دنیا میں بے حد مقبول ہوئے ہیں۔

شیدا صاحب کے بلند پایہ کلام کے متعلق مشاہیر کی آراء:۔

۱۔ شیدا انبالوی کا کلام اسقامِ شاعری اور عیوبِ فصاحت سے مبرا ہے۔ (جناب سحر عشق آبادی)

۲۔ حضرت شیدا کے اشعار عام فہم بھی ہوتے ہیں اور خاص پسند بھی۔ (راجیہ کوی) پنڈت میلا رام وفا

۳۔ شیدا صاحب ایک نہایت سنجیدہ مذاق اور پختہ کار شاعر ہیں۔ حضرت ساحر سیالکوٹی

۴۔ شیدا صاحب کا کلام جہاں نقائص سے پاک ہوتا ہے وہاں خوبیوں سے مالا مال بھی۔ (مولانا) ابر احسنی گنوری

۵۔ شیدا صاحب کے پاس علم کی بیش بہا دولت تو ہے ہی، تجربہ، مطالعہ اور مشاہدہ کی فراوانی کے ساتھ ساتھ غور و فکر والا دماغ اور ذہن بھی۔ اور سب سے بڑھ کر ایک حساس طبیعت اور دلِ گداختہ۔ پروفیسر حفیظ بنارسی صاحب

۶۔ شیدا انبالوی کالج کے زمانہ طالب علمی میں بھی شاعر تھے۔ آج بھی شاعر ہیں اور اب تو مسلسل مشقِ سخن نے انہیں ایک کامیاب شاعر بنا دیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر منوہر سہائے انور

۷۔ شیدا صاحب کہنہ مشق شاعر ہیں اور جملہ اصنافِ شاعری پر قادر ہیں۔ آپ کے کلام میں زبان و بیان کی حلاوت و شیرینی، سادگی و پُرکاری کی دھوپ چھاؤں، جذبات و احساسات کا فنکارانہ رنگ و آہنگ، حیات و کائنات کے اسرار و رموز کی آگہی اور دولتِ فکر بدرجہ اتم موجود ہے۔ ڈاکٹر جاوید وششٹ صاحب

ہر ایک کتاب کی قیمت پندرہ روپے ہے۔

راکیش پبلشنگ کمپنی ۵۹ ۔ ماڈل ٹاؤن ۔ انبالہ شہر

۱۔ خُدا

اے کریم! اے خدائے ارض و سما
تجھ سے قائم نظامِ ہر دو سرا
غنچہ و گُل ہوں یا مَہ و انجُم
سب ہیں نکہت تِری ۔ تِری ہی ضیا
مَیں بھی ہُوں تیرا بندۂ ناچیز
مجھ پہ بھی اک نگاہِ لطف و عطا
کب سے ظلمات میں بھٹکتا ہُوں
مجھ کو بھی روشنی کی راہ دِکھا

ہو وہ نرگس ۔ سمن کہ نیلوفر
ہر گُل تر میں ہے مہک تیری
الغرض شاخ ہو کہ سبزہ ہو
صحنِ گلشن میں ہے لہک تیری

○

مَیں تو ہُوں بندۂ خُدا شیدا!
غیر کا دم بھروں ! یہ نامُمکن!
ڈوب جائے مِرا سفینہ ۔ مگر
ناخدُا پر مروں ! یہ نامُمکن!

○

تیرے قدموں پہ جو جُھکا دے جبیں
کیوں نہ وہ سرفراز ہو جائے؟
جو ہو تیرا نیاز مند۔ آخر
کیوں نہ وہ بے نیاز ہو جائے؟

○

تیری توصیف کیا کروں؟ اے خُدا!
تیری توصیف؟ محض نامُمکن!
تیری تعریف کس سے مُمکن ہے؟
تیری تعریف؟ محض نامُمکن!

○

گردشِ دہر اُسے مٹائے کیا؟
جو ترا گردِ راہ ہوتا ہے
تیرے در کا جو خاکسار ہو۔ وہ
ہر دو عالم کا شاہ ہوتا ہے

○

اور کیا چاہیئے الٰہی! اُسے
جس پہ ہو تیرے لطف کا سایہ؟
دین و دُنیا سے کیا غرض اُس کو
عشق تیرا ہو جس کا سرمایہ؟

○

اللہ! اللہ یہ جلوہ آرائی!
ہر نظر ہے تری تماشائی
ایک میں ہی نہیں فدا تجھ پر
ہر کوئی ہے ترا تمنائی

○

فیض سے تیرے عرش روشن ہے
تیرے دم سے فرش نور ہی نور
تو رگِ جاں سے بھی ہے میرے قریب
پھر نگاہوں سے کیوں ہے دور ہی دور؟

○

شکل و صورت سے جب ہے تو بالا
کیوں ہے ہر دل کو آرزو تیری؟
جب کہیں بھی نہیں تری منزل
کیوں ہے نظروں کو جستجو تیری؟

○

جس کا سر تیرے در پہ جھک جائے
وہ بشر سر بلند ہوتا ہے
جس کو کعبہ ہو نقشِ پا تیرا
وہ بشر ارجمند ہوتا ہے

○

تیری قدرت کو کوئی کیا سمجھے؟
اپنی قدرت کو تُو سمجھتا ہے
تیری عظمت کو کوئی کیا سمجھے؟
اپنی عظمت کو تُو سمجھتا ہے

○

مجھ کو دُنیائے دُوں سے کیا نسبت؟
تُو ہے مقصُود۔ اے خدا! میرا
مجھ کو دیر و حرم سے کیا مطلب؟
تُو ہے معبُود۔ اے خدا! میرا

○

اپنی حِکمت کو تُو سمجھتا ہے
اِس حقیقت کو کوئی کیا جانے؟
لاکھ رحمت ہے بے رُخی تیری
تیری رحمت کو کوئی کیا جانے؟

○

نقش جتنے ہیں صحنِ گلشن میں
تیرے نقشے دکھائی دیتے ہیں
برگ و بر۔ خار و خس۔ گل و غنچہ
تیرے جلوے دکھائی دیتے ہیں

○

ذرّہ ہو۔ پھول ہو۔ ستارہ ہو
جو بھی کچھ ہے۔ تیرا ہے آئینا
تیرا ہی جلوہ ہر طرف ہے۔ اگر
دیدہ و دل ہیں روشن و بِینا

○

جن کو تیرا کرم مقدّر ہے
پُر سکوں۔ پُر سرور رہتے ہیں
رنج۔ غم۔ سوز۔ درد۔ فکر۔ ملال
اُن سے سب دُور دُور رہتے ہیں

ساری دنیا پہ ۔ اے خدائے کریم!
تیرا ابرِ کرم برستا ہے
ایک میں ہوں کہ جس کا دل ہر دم
نگہِ لطف کو ترستا ہے

ذرّے ذرّے میں تا بہ حدِّ نظر
جا بہ جا حُسن و نُور تیرا ہے
تیرے جلوؤں سے ہے جہاں معمور
سُو بہ سُو سب ظہور تیرا ہے

تیری دریا دِلی کا کیا کہنا!
تیری رحمت ہے اک یم ذخّار
حد نہیں میرے بھی گناہوں کی
اِن کا بھی کچھ حساب ہے نہ شمار

○

اِس حقیقت سے ہے کسے انکار
کعبہ اُس کا ہے۔ طُور اُس کا ہے؟
تُو مگر اپنے دل میں دیکھ اُسے
تیرے دل میں بھی نُور اُس کا ہے

۲- وطن پرستی

بھارت

○

ہم پجاری ہیں اپنے بھارت کے
اپنے بھارت سے ہم کو الفت ہے
اس کی دھرتی ہے دیر و کعبہ ہمیں
اس کے ہر ذرّے سے عقیدت ہے

○

دل و جاں میں سمائے جاتے ہیں
طبعِ افسردہ کو جِلاتے ہیں
گلشنِ ہند کے حسیں منظر
خلد کا مضحکہ اڑاتے ہیں

سرزمیں اپنی رشکِ جنّت ہے
اِس کی خدمت بڑی عبادت ہے
ہم ہیں شمعِ وطن کے پروانے
اپنا کعبہ ہماری ملّت ہے

اے وطن! کیا کہوں تیری عظمت؟
تیرے کنکر ہیں رشکِ کوہِ نُور
تیرے کانٹے مثالِ خُلدِ بریں
تیرے ذرّے جوابِ برقِ طُور

اس کا ہر فن ہے جاوداں فطرت
اس کا ہر علم غیر فانی ہے
نازِ عالم ہے یہ تمدّن میں
اس کی تہذیب جاودانی ہے

ہے یہ عرفان میں بھی لاثانی
کون دُنیا میں اِس کا ثانی ہے

○

شرق و غرب اِس پہ ناز کرتے ہیں
جان دیتے ہیں اِس پہ اہلِ جہاں
اِس کی عظمت کی دُھوم ہے ہر سُو
میرا بھارت ہے فخرِ کون و مکاں

○

شمعِ ملّت کے ہم ہیں پروانے
مئے حُبِّ وطن کے مستانے
جاری رہتے ہیں رات دن لب پر
ملک یا قوم ہی کے افسانے

○

غیرتِ خلد ہے ہمارا وطن
ہم کو ہے جان سے بھی پیارا وطن

خندہ زن ہیں گُلوں پہ اِس کے خار
لہلہاتی ہے اِس میں فصلِ بہار
خاک اس کی ہے کعبۂ مقصُود
ہے ہمارے لئے یہی معبُود
ہم ہیں قرباں اسی کی شوکت پر
ہم ہیں شیدا اسی کی عزّت پر

بھارت کے جاں باز

○

میرے بھارت کا ایک اک جاں باز
غیر کے لشکروں پہ بھاری ہے
کون لائے گا اِس کے حملے کی تاب؟
اِس کی ہر ضرب۔ ضربِ کاری ہے

○

غاصبوں کو مزا چکھا دیں گے
دشمنوں کا نشاں مِٹا دیں گے

اپنی سرحد کے پاسباں یہ ہیں
زورِ بازو انہیں دکھا دیں گے

شہید

یوں تو مرتی ہے دم بدم دنیا
موت کا سب پہ وار ہوتا ہے
لیکن اُس کو شہید کہتے ہیں
جو وطن پر نثار ہوتا ہے

○

سر ہتھیلی پہ رکھ کے اپنے جواں
رن میں کس شان سے اُترتے ہیں!
موت کا خوف اُنھیں ہے بے معنی
موت پر جان سے وہ مرتے ہیں

ترنگا

اِس کی عظمت ہمارے دل پہ ہے نقش
جان اس پر نثار کرتے ہیں

اِس کی تعظیم ہے ہمارا دین
ہم "ترنگے" سے پیار کرتے ہیں

○

جس کے سائے میں سختیاں جھیلیں
جنگِ آزادیٔ وطن کے لئے
دِل کی خواہش کوئی ہے اب۔ تو یہی
وہ "ترنگا" ملے کفن کے لئے

ایکتا

ایکتا سے ہمیں محبّت ہے
ایکتا سے ہمیں عقیدت ہے
ایکتا کے نہ کیوں ہوں شیدا ہم؟
ایکتا ہی وطن کی عظمت ہے

○

ایکتا ہم کو جان سے محبوب
ایکتا ہم کو دل سے ہے مطلوب

ایکتا پر ہیں جان و دل شیدا
ایکتا جان و دل سے ہے مرغوب

آزادی

دل کشا ہے بہارِ آزادی
جاں فزا ہے بہارِ آزادی
نغمہ پیرا ہے کیف ہر لب پر
غم رُبا ہے بہارِ آزادی

وحدت

غیریت ہو۔ دوئی ہو یا تثلیث
ہم کو ان سب سے سخت نفرت ہے
ہم کو مطلب نہیں ہے کثرت سے
اپنا مقصود ایک وحدت ہے

فرقہ داری

فرقہ داری ہے جان کی دشمن
فرقہ داری ہے شان کی دشمن

فرقہ داری ہے لعنت یکسر
فرقہ داری ہے آن کی دشمن

کشمیر

ہے فلک بوس دامنِ کشمیر
رشکِ فردوس، گلشنِ کشمیر
اِس پہ حُوریں فدا۔ فرشتے غش
مرکزِ دہر، مسکنِ کشمیر

ہماچل

مے برستی ہے اس کے آنچل سے
کیف زا ہے گھٹا ہماچل کی
دل کش و دیدہ زیب و جاں پرور
خوش ادا۔ ہرا ہماچل کی
پُرکشش۔ حُسن بار۔ رُوح نواز
جذب ساماں، فضا ہماچل کی

پنجاب

کیوں نہ اس پہ فِدا ہو باغِ نعیم
اس کی موجِ ہَوا ہے موجِ شراب

اِس کی ہر نہر چشمۂ حیواں
رُوبرُو جس کے چاندنی آب آب

اس کا پانی ہے غیرتِ کوثر
روح افزا ہے خطۂ پنجاب

ہریانہ

خاکِ ہریانہ ہے بہشت نظر
اِس کا ہر ذرّہ ہے جوابِ قمر
اس کا ہر جلوہ ہے طرب انگیز
اس کی اِک اِک ادا ہے جاں پرور

○

میرا اُکلاُنہ ہے مُجھے جنّت
میرا برزوانہ ہے مُجھے جنّت

میرا گوہانہ[1] ہے مجھے جنّت
میرا مُلّانہ[2] ہے مجھے جنّت
مُجھ کو جنّت سے کیا غرض؟ واعظ!
سارا ہریانہ ہے مجھے جنّت

انبالہ

غیر فانی بہار ہے اِس کی
رنگ و بُو کا چمن ہے انبالہ
جاں فزا۔ دل کُشا۔ نظر افروز
رشکِ باغِ عدن ہے انبالہ
کیوں نہ ہو اس پہ فخر و ناز ہمیں؟
اپنا پیارا وطن ہے انبالہ

مُلّانہ[3]

دل سے مرتی ہے جس پہ یہ دُنیا
وہ ہے شیریں ادائے مُلّانہ
پانی بھرتی ہے جس کا کوثر بھی

[1] [2] [3] و [4] ہریانہ کے مشہور قصبوں کے نام ہیں۔

وہ ہے موجِ ہوائے ملّانہ[1]
رشک کرتی ہے جس پہ خود جنّت
وہ ہے رنگِ فضائے ملّانہ

تعمیر و ترقیٔ وطن

بہہ رہی ہے علوم کی گنگا
چشمے ہر فن کے ہو گئے جاری
اب کہیں بھی نظر نہیں آتا
ہم کو نام و نشانِ بے کاری

○

بجلی روشن ہے آج گھر گھر میں
شب کی تاریکیاں ہوئیں کافور
ذرّہ ذرّہ جو اب منیّر ہے
ہر طرف خندہ زن ہے نور ہی نور

○

بنجروں میں اُگے ہیں اب گوہر
کونے کونے میں نہریں چلتی ہیں

[1] مصنّف کے آبائی وطن کا نام

آج یوں سبز انقلاب آیا
خشک راہیں بھی زرآ گلتی ہیں

○

ہر طرف ہوں گے خندہ زن صحرا
ہر طرف باغ مسکرائیں گے
رنگ لائیں گے اپنے عزم و عمل
جو کہیں گے وہ کر دکھائیں گے
ہم "ترنگے" کے سائے میں شیدا!
گیت حُبِّ وطن کے گائیں گے

○

خیمہ زن ہے بہار چاروں طرف
غیرتِ گُل ہے خارِ دشت و دمن
جوشِ عزم و عمل کی برکت سے
رُو کشِ خُلد ہے زمینِ وطن

۳۔ راہ برانِ قوم و وطن

مہاتما گاندھی

○

تھی اہنسا فقط تری شمشیر
کٹ گئی جس سے ظلم کی زنجیر
رنگ لا کر رہی تری تدبیر
جاگ اُٹھی۔ سو رہی تھی جو تقدیر

○

جادۂ حق دکھا دیا تُو نے
گُم رہی سے بچا دیا تُو نے
بے طرح محوِ خواب تھے ہندی
اُن کو یک سر جگا دیا تُو نے

○

غیر سے بھی تجھے محبّت تھی
دشمنِ جاں سے بھی مروّت تھی
اس حقیقت سے ہے کسے انکار؟
تجھ کو نفرت سے سخت نفرت تھی

جواہر لال نہرو

محسنِ ہند ۔ رہبرِ عالم
حامیٔ امن ۔ ہادیٔ اعظم
تُو نے جس کو فضا میں لہرایا
جُھک نہیں سکتا وہ کبھی پرچم

○

کب تھے مرغوب تجھ کو جنگ و جدل؟
تُو فقط صُلح کا پیامی تھا
جس کے قائل ہیں مشرق و مغرب
تُو اُس انسانیت کا حامی تھا

○

تیرے دم سے دیارِ ہند میں اب
نُور ہی نُور مُسکراتا ہے
ظلمتِ یاس ہو گئی کافُور
مہرِ اُمید جگمگاتا ہے

ابوالکلام آزاد

جسم کی قید اُس کو قید نہیں
جس کا دل جس کی رُوح ہو آزاد
موت کا بھی اُسے نہیں کھٹکا
اُس کو کیا خوف؟ ہرچہ بادا باد

○

دین و دُنیا کا محرمِ اسرار
راز داں حکمت و سیاست کا
آشنائے رموزِ ذات و صفات
عالم اندازِ حُسنِ فطرت کا

○

فاضلِ جید اور بحرِ علوم
جس کے عرفاں کی شرق و غرب میں دھوم
معترف جس کے فارس و یونان
معتقد جس کے مصر و شام و روم

شہیدِ اعظم بھگت سنگھ

وہی سردار جس کو دار نصیب
ہو جسے جان سے عزیز صلیب
زیست کو کھیل جو سمجھتا ہو
موت جس کے لئے نہیں ہے مہیب

○

سر ہتھیلی پہ شوق سے رکھ کر
بحرِ آفات میں اُترتا ہے
سرفروشِ وطن ہے وہ جاں باز
موت پر شوق سے جو مرتا ہے

ہم کو لازم ہے پیروی اُس کی
اُس کے قدموں پہ اپنا سر خم ہے
اُس کا ایثار ہے پیامِ حیات
واقعی وہ شہیدِ اعظم ہے

۴۔ شاعرانِ باکمال اور اُن کی شاعری

ہو وہ تلسی[1] کہ سُور[2] یا کالی[3]
ہر کسی کا مقام ہے عالی
ہر کوئی اپنے رنگ میں کامِل
سب نے بُنیادِ قصرِ حق ڈالی

۱۔ تلسی داس ۲۔ سُور داس ۳۔ کالی داس مشہور شاعرانِ ہند۔

درد[1]۔ آتش[2]۔ امیر[3]۔ میر[4]۔ اِنشا[5]
ذوق[6]۔ غالب[7]۔ سرور[8]۔ داغ[9]۔ اقبال[10]
جوش[11]۔ آذر[12]۔ وفا[13]۔ جگر[14]۔ محروم[15]
نوح[16]۔ اختر[17]۔ نسیم[18]۔ اثر[19]۔ کمال[20]
سب کے سب تھے یہ بے مثال اُستاد
کوئی لائے کہاں سے ان کی مثال ؟

۱۔ خواجہ میر درد ۲۔ خواجہ حیدر علی آتش ۳۔ امیر مینائی ۴۔ میر تقی میر ۵۔ سید اِنشاءاللہ خاں اِنشا ۶۔ محمد ابراہیم ذوق دہلوی ۷۔ اسد اللہ خاں غالب ۸۔ درگا سہائے سرور ۹۔ داغ دہلوی ۱۰۔ ڈاکٹر محمد اقبال [illegible]
(باقی صفحہ ۵۱ پر)

جوشؔ ملسیانی*

جانتا ہے مرا ہی دلِ شیدا!
اُن کے قدموں سے جو محبّت ہے
کیا کرے گی بیاں زبانِ قلم
جوشؔ صاحب سے جو عقیدت ہے

* ابوالفصاحت پدم شری پنڈت لبھو رام جوشؔ ملسیانی مُصنّف کے اُستادِ محترم

خاندانِ جوشؔ ملسیانی

میں ہوں مدّاحِ خاندانِ جوشؔ
ہمسرِ قیسؔ[1] و زارؔ[2] و عرشؔ[3] و نسیمؔ[4]
ہیں مرے خواجہ تاش یہ شیدا!
سالکؔ[5] و ساحرؔ[6] و کمالؔ[7] و تبسمؔ[8]
مے کشؔ[9] و ساگرؔ[10] و ہماؔ[11] و کنولؔ[12]
کیوں سبھی ہوں قابلِ تعظیم؟
اِن کی عظمت کے قائل اہلِ جہاں
مرتبہ اِن کا شاعری میں عظیم

(بقیہ فٹ نوٹ ۵۰ صفحہ سے آگے) ۱۳ میلا رام وفاؔ ۱۴ جگرؔ مراد آبادی ۱۵ تلوک چند محرومؔ ۱۶ نوحؔ ناروی ۱۷ ہری چند اخترؔ [illegible] شعرائے ہند

۱ قیسؔ جالندھری ۲ زارؔ کپورتھلوی ۳ بال مکند عرشؔ ملسیانی ۴ نسیمؔ نور محلی (باقی صفحہ ۵۲ پر)

قیس جالندھری

سب دلوں میں ہے احترامِ قیس
ہے ندا غیب کی پیامِ قیس
اس میں شیدا! کوئی کلام نہیں
یکسر الہام ہے کلامِ قیس

حقیقی شاعری

رونقِ محفلِ ادب ہیں وہی
جن کی نظموں میں خوش بیانی ہو
اُن کا دم ہے غنیمت کبریٰ
جن کی غزلوں میں تر زبانی ہو

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۵۱ سے آگے) ۵ پروفیسر ستیہ پرکاش سالک ۶ ساحر سیالکوٹی و ساحر ہوشیارپوری ۷ کمال کرتارپوری ۸ تبسم حیرتی ۹ کیلاش ناتھ کشش ۱۰ ساگر نکودری ۱۱ ہما برنالوی ۱۲ پروفیسر کنور لال کنول

۱ مصنف کے بزرگ خواجہ ناش۔ جن کا مصنف کو بہت زیادہ احترام ہے۔

○

حسنِ "آمد" کا ہو جو آئینہ

قابلِ داد ہے وہ رنگِ کلام

جس پر "آورد" کا نہ گزرے گماں

کیوں نہ ہو جاں نواز ایسا پیام؟

○

سادہ ۔ تازہ ۔ شگفتہ ۔ پاکیزہ

ہے وہی شعر جو رواں بھی ہو

جس کے الفاظ میں نہ ہو اُلجھن

جس کی تاثیر جاوداں بھی ہو

۵۔ میں اور میری شاعری

○

مجھ سے کچھ بھی نہیں ہے پوشیدہ
رازدانِ رہِ حیات ہوں میں
مجھ پہ روشن خفی، جلی اسرار
ترجمانِ صفات و ذات ہوں میں

○

اہلِ فن معترف ہیں۔ میرا کلام
حاملِ ندرت و لطافت ہے
شاعری میری! حضرتِ شیدا!
سادگی۔ جوش اور جدت ہے

○

پیکرِ حسن میرا اک اک شعر
عشق معمور ہر سخن میرا

معتقد ہیں محقّق و نقّادؔ
مستند علم میرا۔ فن میرا

○

اِس حقیقت میں شک نہیں کوئی
روح پرور ہے میرا رنگِ کلام
اہلِ دل کے لئے ہے حرزِ جاں
زندگی بخش میرا حسنِ پیام

○

پانی بھرتے ہیں اس کا اہلِ نظر
موجِ کوثر ہے یا ہے میری زباں
برحق اہلِ زباں کا فتویٰ ہے
اُلجھنوں سے ہے پاک میرا بیاں

○

داد دیتے رہے ہیں اے شیداؔ!
تاجورؔ[1]۔ جوشؔ[2]۔ قلیسؔ[3] اور وفاؔ[4]

[1] شمس العلماء مولانا تاجورؔ نجیب آبادی [2] ابوالفصاحت پدم شری پنڈت لبھورام جوشؔ ملسیانی۔
[3] علامہ دہر جناب قلیسؔ جالندھری۔ [4] لسان الاعجاز راجیہ کوی پنڈت میلارام وفاؔ۔

قابلِ رشک ہو نہ کیوں وہ کلام
رُتبے میں ہے جو عرش سے بالا

○

دِل نشیں ہے مِری اک اک تخلیق
جو مصارع ہیں. سب وہ خنجر ہیں
کیوں نہ اُتریں وہ دل میں؟ اے شیدا!
میرے اشعار تیرِ و نشتر ہیں

○

میری ایک ایک "بیت" نورِ نظر
میری ایک ایک "فرد" دل آرا
میری ایک ایک "نظم" جاں پرور
میری اِک اِک "غزل" حیات افزا
ہر "ترانہ" مرا ہے رقصِ ضمیر
اور ہر "قطعہ" روح کی ہے غذا

۶۔ آج کی شاعری

○

کیا قواعد ہیں؟ کیا اصولِ عروض؟
آج کی شاعری یہ کیا جانے؟
تجرباتِ جدیدیت۔ شیدا!
کل کہاں پہنچیں؟ خدا جانے!

○

انگلیاں اُٹھتی ہیں فصاحت پر
مضحکہ اُڑتا ہے بلاغت کا
آج کی شاعری میں نام کہاں
جوش کا۔ سادگی کا۔ جدّت کا؟

○

اب غرض کس کو معنویت سے؟
اب ترنّم کا دَور چلتا ہے

رنگِ بزمِ سخن خدا کی پناہ!
کام سر سے اب نکلتا ہے

○

شاعری کو ہے اب کہاں بیدا!
بحر و وزن و عروض سے مطلب؟
اُٹھ گئی ہے تمیزِ نظم و نثر
اب معمّے سے بھی سوا ہے ادب

○

اب کہاں عشقِ حسن و رعنائی؟
اب کسے ذوقِ نغمہ پیرائی؟
اب سخن کو پلائے کون لہو؟
اب کسے شوقِ عرش پیمائی؟

○

اس کو نسبت نہیں فصاحت سے
اس سے مقصود ہے بلاغت اب

شاعری جو تھی رقص و نغمۂ روح
بن گئی ہے فقط غرابت اب

○

کچھ نہ پوچھو مشاعروں کا حال
اب ہے بزمِ سخن بھی بزمِ سرود
اب ہے محبوب سب کو نغمہ گری
شاعری ہو گئے رہ گئی مفقود

۷۔ آج کا دَور

○

کس کو اپنا کہے کوئی ؟ شیدؔا!
کون اب کس کے کام آتا ہے ؟
آدمی ، آدمی کا ہے دُشمن
آدمی ؛ آدمی کو کھاتا ہے

○

اب کہاں وہ صداقتِ کردار ؟
اب کہاں وہ لطافتِ گُفتار ؟
اب کہاں وہ نزاکتِ رفتار ؟
اب کہاں وہ شرافتِ اطوار ؟

○

عہدِ حاضر کی آفتیں ! توبہ !
جو بشر ہے الم کی مُورت ہے

اب مسرّت ہے لفظِ بے معنیٰ
جو مسرّت ہے، غم کی صورت ہے

O

آج کیا ہوگیا زمانے کو؟
کل کے غدّار ہیں محبِّ وطن
کل جو تھے کاسہ لیس غیروں کے
آج بھی آگئے ہیں وہ ماہرِ فن

O

لب پہ دعوے وفا کے۔ اُلفت کے
دل میں کینہ۔ کدورت اور حسد
آخر اس مکر سے۔ ریا سے حصول؟
آخر اس مکر کی۔ ریا کی حد؟

O

یا رب اس دور کا ہے کیسا نظام!
ہر نفس ہو رہا ہے زہر کا جام

جس میں آرام یا سکوں ہو حرام
اُس سیاست کو دُور ہی سے سلام

○

آج بھی خطرے میں ہے آزادی
آج بھی کم نہیں وطن دشمن

آج بھی پیش رَو ہیں خود مطلب
آج بھی ہر طرف ہیں ننگِ وطن

○

نام ہی نام رہ گیا باقی
نہیں ملتا کہیں وفا کا نشان
خواب بھی جس کا تھا حقیقتِ محض
وہم کا ہو رہا ہے اُس پہ گماں

○

دہر کے مے کدے ہیں۔ اے ساقی!
زہرِ قاتل کے جام ملتے ہیں

بادۂ ناب جب نہ ہو حاصل
کب ملاوٹ سے کام چلتے ہیں؟

○

جس کو مطلب نہیں مرّوت سے
لُطف و مہر و وفا سے کام نہیں
کس طرح اُس کو ہم کہیں انساں؟
جس میں انسانیت کا نام نہیں؟

○

وہ صداقت نہ وہ شرافت ہے
وہ مروّت نہ وہ اخوّت ہے
انقلابِ جہاں! خدا کی پناہ!
اب محبّت بھی اک سیاست ہے

○

اب نہ وہ ربطِ باہمی ہے نہ پیار
کیسے بدلے ہیں دہر کے آثار!

یہ تعصّب! یہ بغض! یہ کینہ!
سب ہیں آپس میں برسرِ پیکار

○

وہی دم باز ہے جسے دیکھو
اب کہاں کوئی ہم دم و ہم ساز؟
جو بھی ہے خود غرض ہے۔ اے شیدا!
اب نہ وہ ہم نشیں نہ وہ ہم راز

۸۔ آج کی دوستی

دشمنی ہو تو کوئی بات نہیں
میں تو اب دوستی سے ڈرتا ہوں
کتنی حیرت ہے! آدمی ہو کر
سائے سے آدمی کے ڈرتا ہوں

○

مجھ کو وہ دُکھ دیئے ہیں اپنوں نے
اب میں ہر آشنا سے ڈرتا ہوں
دشمنوں کی جفا کا خوف نہیں
دوستوں کی وفا سے ڈرتا ہوں

○

دوست نکلے ہیں آستینوں کے سانپ
بے طرح سرکشوں سے ڈرتا ہوں
دل و جاں سے میں جن پہ مرتا تھا
اب انھیں مہ وشوں سے ڈرتا ہوں

○

آج کی دوستی سیاست ہے
اس کے پہلو میں مکر چلتے ہیں
ہم سمجھتے ہیں جن کو دوست۔ وہ سب
دشمنِ جان و دِل نکلتے ہیں

○

کام پڑ جاتا ہے تو۔ اے شیدا!
دوست آنکھیں چُرانے لگتے ہیں
ٹوٹ پڑتی ہے جب کوئی آفت
سبھی دامن بچانے لگتے ہیں۔

○

جب کوئی غم گُسار آتا ہے
اپنے سَو غم بھی ساتھ لاتا ہے
میرے دُکھ میں تسلّیاں دے کر
اپنے دُکھڑے سُنائے جاتا ہے

۹۔ رِندی و سرمستی

○

جام، صرف ایک جامِ روح فزا
ساقیا! شیخِ محترم کے لیئے
کیوں نہ کھل جائے اُس کی آنکھ یہیں؟
مضطرب ہے وہ جامِ جم کے لیئے

○

شیخ! تو نے تو پی ہے چھپ چھپ کر
میں نے مے خانے میں اڑائی ہے
پارسائی بھی تیری ہے رِندی
میری رِندی بھی پارسائی ہے

○

مے رنگیں سے شامِ رنگیں ہیں
تجھ سے معمور جام ہو نہ سکا

شیخ ! ایسے میں بھی کبھی تجھ سے
کام کا کوئی کام ہو نہ سکا

○

ہم نہیں مے پرست ۔ اے واعظ !
چشمِ ساقی سے ہم تو پیتے ہیں
غم غلط مے سے ہم نہیں کرتے
بے پیئے سرخوشی سے جیتے ہیں

○

یہ تو مے نوش ہی سمجھتے ہیں
شیخ کیا جانے بادہ کی عظمت ؟
مے کدے کا خیال آتے ہی
ہم پہ کھل جاتا ہے درِ جنّت

○

غم غلط کرنی ۔ کیف برساتی
اُٹھّی مے کش گھٹا ہمالہ سے

ساقیا! تو بھی اُٹھ ۔ اُٹھا ساغر
تیرے مے خوار اور یُوں پیاسے!

○

رہنے دے اپنا وعظ ۔ اے واعظ!
مجھ کو دو چار گھونٹ پینے دے
جا ۔ خدا کے لئے معاف اِس وقت
غم رُبا موجِ مے میں بہنے دے

○

لو وہ اُٹھی حرم سے کالی گھٹا
شیخ جی! اب حرام بھی ہے حلال
آئیے اِس مے کدے سے ہو آئیں
کتنا اچھا ہے! کتنا نیک خیال!

○

اُف یہ پُر کیف ۔ پُر سرور ہوا!
اللہ اللہ یہ مے فروش گھٹا!

وجد آور ہے گُلستاں کی فَضا
ساقیا! خود بھی پی۔ ہمیں بھی پلا

○

صبح پیتا ہُوں۔ شام پیتا ہُوں
مَے رنگیں کا جام پیتا ہُوں
میری رِندی بھی حق پرستی ہے
لے کر اللہ کا نام پیتا ہُوں

○

اُف یہ طوفانِ رنگ و بُو و جمال!
اب تو ساغر میں آفتاب آئیے
شیخ صاحب بھی جلوہ فرما ہیں
ساقیا! کیوں نہ اب شراب آئیے؟

○

گردشِ آسماں بجا۔ لیکن
گردشِ جام بھی کوئی شے ہے

کثرتِ رنج و غم کا ڈر کیسا؟
خُم کدے میں صراحیِ مَے ہے

○

کیوں ہے موجِ ہوا میں کیفِ شراب؟
کیوں فضا میں ادائے مستی ہے؟
درِ مَے خانہ جب مقفّل ہو
ساقیا! کیوں گھٹا برستی ہے؟

○

شیخ! ہم ہیں مُریدِ پیرِ مغاں
درِ مے خانہ اپنا ہے مسجُود
تیرے سجدوں میں جب سرُور نہیں
سب عبادت ہے سر بسر بے سُود
تیری نہرِ بہشت۔ شعلہ زار
دُختِ رز میری۔ آتشِ بے دُود

○

بادہ - خُم - شیشہ - جام - پیمانہ
دیدنی ہے یہ شانِ مے خانہ
رِندِ بے ہوش ہو جو - اے زاہد!
وہی عاقل - وہی ہے فرزانہ
تُو جسے ہوشیار سمجھا ہے
ہے وہ عابد تجھی سا دیوانہ

○

تجھ کو دیدارِ حق سے کیا مطلب؟
تیرے مقصود ہیں قصور و حور
تجھ کو مطلوب کوثر و تسنیم
تیرے معبود محض کیف و سرور
شیخ! منزل تری، ریاضِ جناں
اس ریاضت میں کچھ خرد نہ شعور

○

تجھ کو مرغوب منبر و محراب
مجھ کو مطلوب محض جام و سبو
پائے ساقی پہ ہوں میں سجدہ گزار
شیخ! مے سے ہے مری سبیلِ وضو
میں ہوں شیدا یہیں حقیقت کا
خُلد کے خواب پر ہے تو لٹو

○

جس کو دیکھو وہی نشے میں ہے چُور
مست و سرشار و بے خود و مسرور
ایک تُو ہی ہے، واعظِ ناداں
محفلِ مے سے کالے کوسوں دور
اسی باعث تری حیاتِ خشک
رہ گئی ہو کے بے طرح بے نور

○

ساقیا! مے سے اب کسے مطلب؟
لاکھ گُل رنگ ۔ لالہ فام ہوئی
غم رُبا ہے وہ نرگسِ شہلا
سرخوشی کا جو خود پیام ہوئی
اُس کے فیض و کرم کا حال نہ پُوچھ
مے پرستی ہمیں حرام ہوئی

○

پھر اُٹھی ہے ہمالیہ سے گھٹا
پھر چلی ہے اِرم سے مست ہوا
دامنِ کوہ ، دامنِ گُل چیں
نغمۂ جوئے بار ، ہوش رُبا
مے کدہ ہے چمن ۔ سبُو غنچے
موجِ صہبا ہے یا ہے موجِ صبا؟

کیف ساماں مناظرِ قُدرت
پُر ضیا دہر کی ہر ایک فضا
دُور تیری بلائیں۔ پیرِ مغاں!
اپنی اُمّت کی تُو بھی خیر منا

○

کیا کہوں کیفِ موجِ بادِ بہار؟
نشۂ جامِ مے ہے بے معنی
رُو برو رقصِ چشمِ ساقی کے
ہر ترانے کی لَے ہے بے معنی

○

مے پرستی کا ہے پیامِ نوید
یہ شفق رنگ شام۔ اے ساقی!
سوزِ دل بے طرح بھڑکتا ہے
آتشِ تر کا جام۔ اے ساقی!

○

لا! کہاں میری آنکھوں کی ہے ضیا؟
اب تو مَیں ہو چلا ہُوں اندھا سا
غم کی ظُلمت ہو سا فنیا! کا فور
جام میں نورِ آفتاب دِکھا

○

شبِ مہ کی یہ سیم پاش فضا!
یہ چمن - یہ بہار - یہ لبِ جُو!
ایسے عالم میں بھی اُداس ہُوں مَیں
ساقیٔ خوش نظر! کہاں ہے تُو؟

○

خلد کے خواب کب تک ہے اے واعظ!
خلد سے بھی سوا ہے مے خانہ
دیکھ یہ اہتمامِ دُخترِ رَز
خُم - سبُو - شیشہ - جام - پیمانہ

ہوش کے مدرسے میں آ سمو ورنہ
تجھ کو دُنیا کہے گی دیوانہ

○

شامِ رنگیں ہے کتنی کیف انگیز!
ایسے میں نیّتِ نماز حرام
بھاڑ میں پھینک اپنا سجّادہ
شیخ! سُن دل سے مے کشی کا پیام

○

کیوں ہے موجِ ہوا میں کیفِ شراب؟
کیوں فضا میں ادائے مستی ہے؟
درِ مے خانہ جب مقفّل ہو
ساقیا! کیوں گھٹا برستی ہے؟

۱۰۔ درد و غم

○

اُس بُتِ شوخ کی جھلک کے لئے
میں ہمیشہ اُداس رہتا ہُوں
مختصر سی خوشی کی حسرت میں
رات دن بحرِ غم میں بہتا ہُوں

○

انتظار ۔ اضطراب ۔ رنج ۔ ملال
ہجر کی سختیاں! ارے توبہ!
درد ۔ اندوہ ۔ سوز ۔ قہر ۔ عذاب
عشق کا امتحاں! ارے توبہ!

○

ایک دِل اور غم پہ غم رشید!
کیا خبر مجھ کو کیا ہیں کیف و سرُور؟

ایک جان اور وقفِ صد آفات
سر خوشی سے ہوں کالے کوسوں دور

○

جوشِ طوفانِ رنگ و نکہت میں
جان پر بن رہی ہے۔ مرتا ہوں
محوِ گل گشت ہیں سبھی۔ لیکن
میں ترا انتظار کرتا ہوں

○

شمعِ اُمید ہو رہی ہے گُل
ظُلمتِ یاس دِل پہ طاری ہے
بے کشش ہیں مناظرِ فطرت
ہر فضا میں جمود ساری ہے

○

اب مسرّت کو بھی سمجھتے الم
زندگانی ہے جان کا آزار

زہرِ خالص کہاں سے لائیے کوئی؟
موت بھی تو نہیں ہے کم دشوار

○

وہ نہ آئیں تو شدّتِ غم سے
وقفِ اندوہ و یاس ہوتا ہوں
اور آئیں ۔ تو فرطِ راحت میں
اور روتا ہوں ۔ اور روتا ہوں

○

غم پہ تھا انحصارِ لطفِ حیات
غم گیا ۔ راحتِ حیات گئی
ہم نشیں! غم ہی تھا غذائے روح
غم کے ساتھ اپنی کائنات گئی

○

عشق تو سر بسر حقیقت ہے
تم سمجھتے ہو جس کو افسانہ

دِل جو رنج و الم سے ہو معمُور
کون کہتا ہے اُس کو ویرانہ؟

O

اِس میں نام و نشاں خوشی کا نہیں
زندگی غم ہے۔ یاس ہے۔ ساقی!
اِس کا چارہ نہیں کچھ اور کہیں
اِس کا چارہ ہے تیری مَے ساقی!

O

خواب میں بھی نہیں خوشی کا خیال
میری تقدیر میں ہے غم ہی غم
سَو بلاؤں کا گھر ہے یہ دُنیا
زندگی ہے کہ آفتِ پیہم!

O

زِیست کی کَش مکش سے تنگ آکر
آدمی موت کو بُلاتا ہے

کون سا غم اُسے نہیں کھاتا؟
کون سا غم نہیں وہ کھاتا ہے؟

○

میری مجبوریوں کا حال نہ پُوچھ
مُنہ سے مَیں کچھ بھی کہہ نہیں سکتا
دل پہ وہ صدمے سہہ رہا ہُوں مَیں
کوئی بھی جن کو سہہ نہیں سکتا

○

دَرد ہے۔ غَم ہے۔ اب تو آجاؤ
آنکھ میں دَم ہے۔ اب تو آجاؤ
اب تو آجاؤ۔ نبض مدّھم ہے
نبض مدّھم ہے۔ اب تو آجاؤ

○

اُف محبّت میں غم کی یہ بھرمار!
رنج۔ اندوہ۔ فکر۔ یاس۔ آزار!

ہم نشیں! کیا بتاؤں عالمِ ہجر؟
زِیست دُشوار۔ مرگ بھی دُشوار

○

سوزِ دل سے بنی ہے کیا دَم پر؟
میری جانِ حزیں کا حال نہ پُوچھ
شبِ غم کس طرح گزرتی ہے؟
یہ سوال! آہ! یہ سوال نہ پُوچھ

○

سانس چلتی ہے صُورتِ شمشیر
رات دن شغلِ آہ و زاری ہے
زندگی میں سکُوں کا نام نہیں
بے قراری ہی بے قراری ہے

○

دل نہ بہلے گا جُوئباروں سے
کوہساروں سے۔ آبشاروں سے

جان پر کھیلنے کا وقت آیا
کون کھیلے اب اِن بہاروں سے؟

O

ہم نشیں! داستانِ عشق نہ پوچھ
رُوح فرسا ہیں ہجر کی باتیں
سانپ بن بن کے ڈس رہی ہیں مجھے
پُرکشش سی یہ چاندنی راتیں

O

دِل ہی میں جب کوئی خوشی نہ رہی
کیوں نہ ہو زلیست غم کدے سے سوا؟
میری نظروں میں تو جہنم ہے
لاکھ ہو خلد یہ جہاں۔ اے خدا!

O

دلِ عاشق کا اب یہ عالم ہے
وقفِ اندوہ۔ کشتۂ غم ہے

زندگی اس کی ۔حضرتِ شیدؔا!
اصل میں زندگی کا ماتم ہے

○

کوئی دیکھے تو بے بسی میری
ایک تصویرِ بےکسی ہوں میں
آنکھ دیوار و دَر چُرانے لگے
اپنے ہی گھر میں اجنبی ہوں میں

○

اب ہے فرقت میں ہر خوشی کافور
دل ہے اب سوز و درد سے معمور
اب جگر میں ہیں داغ ۔ اے شیدؔا!
زخم پہلو میں ۔ سینے میں ناسور

○

کیا کہوں انتظار ہیں کس کے
کب سے دل میرا بے طرح ہے اُداس؟

ہوتی جاتی ہیں اب سفید آنکھیں
ہر طرف چھا رہی ہے ظلمتِ یاس

○

اس کا چارہ؟ جسے نہ راس آئے
خواب میں بھی حیات بخش ہوا
کیا خبر؛ اُس پہ کیا گزرتی ہے
جس کے لب پر رہے قضا کی دعا،

○

اب صبا بھی سوا ہے صرصر سے
اب گلوں پر بھی وہ نکھار نہیں
بجھ گیا جب سے میرا غنچۂ دل
صحنِ گلشن بھی پُر بہار نہیں

○

اِک ذرا سا دل! اس قدر بیتاب!
اِک ننھّی سی جان! وقفِ عذاب!

میں نے جسے رُوح افزا سمجھا تھا
روح فرسا ہے عشق کا وہ خواب

○

چشمِ پُرنم سے چشمے بہ نکلے
پانی سر سے گزرتا جاتا ہے
گھر کا گھر ہی نہ بیٹھ جائے کہیں
ایسا رہ رہ کے خوف آتا ہے
اب دلِ زار میرا۔ اے شیدا!
نقش بر آب، خود کو پاتا ہے

○

تیغ۔ سَم۔ دار۔ شعلہ زار۔ صلیب
عشق کا امتحاں! خُدا کی پناہ!
کھیل سمجھا تھا میں جسے۔ شیدا!
رگِ پیہم کی ہے مسلسل راہ

○

غمِ دل کا کوئی علاج نہیں
غمِ دل ہے بلائے بے درماں
کیا سُناؤں حقیقتِ غمِ دِل؟
غمِ دِل کا فسانہ ہے بے عنواں

○

غم زدوں کا یہ حال ہوتا ہے
درد و رنج و ملال ہوتا ہے
مانگے سے موت بھی نہیں ملتی
جینا بھی اِک وبال ہوتا ہے

○

کچھ بھی ملتا نہیں ہے کھانے کو
یاس واندوہ و رنج و غم کے سِوا
اور کیا چاہیئے؟ اگر یہ ہیں کم
اب "ہوا" کے سِوا "قسم" کے سِوا

○

رات کٹتی ہے تارے گِن گِن کر
رونے دھونے میں دن گزرتا ہے
عشقِ مضطر کا ہے عجب عالم!
یوں بھی مرنا ہے۔ یوں بھی مرتا ہے

○

زرد ہے رُخ عروسِ فطرت کا
اب کہاں تازگی نظاروں میں؟
اب ہیں صحراؤں سے سِوا گُلشن
اب کہاں رنگ لالہ زاروں میں؟
اب نہیں کوہسار خوش منظر
اب کہاں نغمے جوئباروں میں؟
اب فضا میں وہ دِلکشی ہی نہیں
اب کہاں نُور چاند تاروں میں؟

اب بہاریں ہیں بے طرح بے کیف
اب کہاں وہ کشش بہاروں میں؟
غم ہے طاری دلِ حزیں کے سبب
حسنِ عالم کے شاہ کاروں میں

○

ہجر میں سوگوار رہتا ہوں
بے طرح بے قرار رہتا ہوں
رنج و غم، درد و سوز سے شیدا!
رات دن اشک بار رہتا ہوں

○

آہ! میری سیاہ بختی سے
شبِ تیرہ ہے روزِ روشن بھی
جب سے اوجھل ہے وہ گلِ رعنا
دشتِ ویراں ہے صحنِ گلشن بھی

○

ایسا محسوس ہو رہا ہے مجھے
ہو گئی دہر سے خوشی معدوم
غم سے دوچار ہے مری ہستی
جان بھی ۔ دِل بھی ۔ رُوح بھی مغموم

○

ہم نشیں! حالِ جانِ زار نہ پوچھ
آمد و شد نفس کی تیغِ دو دَم
ہیں یہی پنج گنج میرے لئے
یاس، اندوہ ۔ درد ۔ رنج ۔ الم
اب مرے دِل کے حق میں۔ اے شیدا!
کم نہیں جامِ جم سے ساغرِ سم

۱۱۔ محبُوب

رُخِ انور پہ آنکھ کیا اُٹھے؟
اللہ اللہ ترا جمال و جلال!
تجھ سے شمس و قمر کو کیا نسبت؟
حُسن میں تُو ہے آپ اپنی مثال

○

میرا دل آپ ہی پہ ہے شیدا
کب کسی در کا یہ سوالی ہے؟
اور بھی دہر میں حسیں ہیں ۔مگر
آپ کی بات ہی نرالی ہے

○

اللہ اللہ وہ مے فروش آنکھیں
دیکھتے ہی میں ہو گیا مخمُور
غم غلط ہو گیا بغیر پیے
رنج و اندوہ ہو گئے کافُور

○

سروقد ۔ رشکِ حُور ۔ ماہ جبیں
دل نشیں ہے وہ شوخِ دشمنِ دیں
اُس کے ناز و ادا کا کیا کہنا!
جتنا سفّاک، اُتنا ہی وہ حسیں

○

تُو اگر ہے تو خار، غیرتِ گُل
تُو نہیں ہے تو گُل بھی غیرتِ خار
تُو نہیں ہے تو ہے بہار، خزاں
تُو اگر ہے تو ہے خزاں بھی بہار

○

ہو رہے ہیں حرام صبر و سکُوں
خواب ہے صُورتِ شکیبائی
اور بھی بھڑکی آتشِ دلِ زار
تیرے دامن کی جب ہوا آئی

○

اللہ اللہ وہ چشمِ مستی بار!
جیسے خیّام کی رُباعی ہو
اللہ اللہ وہ لذّتِ گفتار
جیسے غالبؔ کی نغمہ سنجی ہو

○

وہ تصوّر میں تھے مرے نزدیک
میں تھا ذی ہوش اُن کی فُرقت میں
اب وہ آئے ہیں تو یہ عالم ہے
گم ہوا جا رہا ہوں قُربت میں

○

ہو گئے ہیں وہ خواب و وہم و گماں
آنکھیں بچھتی تھیں جن کی راہوں میں
ایک مُدّت ہوئی اُنھیں دیکھے
پھر بھی دِل کی ہیں وہ نِگاہوں میں

○

حال اپنا سب اُن پہ روشن ہے
حال اپنا ہم اب کہیں نہ کہیں
دل سے دِل دُور ہو نہیں سکتا
لاکھ نزدیک ہم رہیں نہ رہیں

○

دِل کُشا ہے ترا تکلّم بھی
جاں فزا ہے تِرا ترنّم بھی
تیری اِک اِک ادا ہے روح نواز
خُوش ادا ہے تِرا تبسّم بھی

○

تیرے اندازِ دل رُبا پہ ہوں غش
جاذبِ دل ہے تیری رعنائی
کیوں نہ رہ رہ کے جان دُوں اِس پر؟
جانِ جاں ہے تری خود آرائی

○

اُن کی بے اعتنائیاں ! توبہ!
دہر میں مجھ سا بھی نہ ہو مظلوم
اُن کا لُطف وکرم تو ایک طرف
اب ہُوں جور وستم سے بھی محرُوم

○

دِل کُشا بھی ہے ۔جاں فزا بھی ہے
حسُن کی ہر جفا ، ادا بھی ہے
اُس کے غم میں ہیں غرق دہر کے غم
اُس کا جو غم ہے ۔غم رُبا بھی ہے

○

سانس چلتی ہے مثلِ تیغِ دو دَم
دَم بِتڑا پھر بھی بھر رہا ہُوں مَیں
اے مسیحِ زماں ! اِدھر بھی نظر
آہ ! بے آئی مر رہا ہُوں مَیں

○

جس نے سمجھا مری وفا کو خطا
کیا خبر؟ وہ خطا کو کیا سمجھے؟
دَم وفا کا بھروں گا مَیں ہر دم
اب اِسے، اُس کی جو رضا، سمجھے

○

دِل سے مرتا رہا ہُوں اُس بُت پر
جو محبّت کو اِک بَلا جانے
جان بھی اب نثار کر دوں گا
وہ اسے جانے کیا؟ خدا جانے!

○

جو گزرتی رہی دِل و جاں پر
ہمنشیں! مَیں اُنھیں بتا نہ سکا
دِل میں کیا کیا نہ تھے گلے شکوے!
وہ ملے بھی تو لب پہ لا نہ سکا

○

تیرے دم سے ہے خار، غیرتِ گُل

پھُول بن تیرے بغیر، روکشِ خار

تیری قُربت میں دشت، رشکِ چمن

تیری فُرقت میں خلد، آتش زار

رنگ و بُو ہے تجھی سے وابستہ

اے مِری جان! تُو ہے جانِ بہار

○

اُف یہ طوفانِ رنگ و بُوئے بہار!

خار، خس، سبزہ، برگ، گُل پہ نکھار

اِس پہ بھی میری آنکھیں ہیں خوں بار

میری دُنیائے دِل ہے تیرہ و تار

جان لے کر ٹلے گا آخرِ کار

اُس وفاکش کا وعدۂ دیدار

○

تیرے لُطف و کرم کا ہُوں محتاج
کسی صُورت، کسی ادا میں ہو
یہ وفا ہی پہ کچھ نہیں موقوف
مکر میں، جھُوٹ میں، رِیا میں ہو

○

کب توقع تھی لُطف کی اُن سے
میرے حق میں تھا قہر ہی بہتر
ہاں۔ جب اُس سے وہ ہاتھ اُٹھا بیٹھے
اور بھی بن گئے مِرے دَم پر

○

اُن کے وعدے ہیں رِند کی توبہ
پھر بھی میں اعتبار کرتا ہُوں
مُجھ پہ روشن ہے وہ نہ آئیں گے
پھر بھی میں انتظار کرتا ہُوں

○

تیری مست آنکھ کے تصوّر میں
ایسے لہرا کے جی رہا ہوں مَیں
ایک عالم کو ہے گماں ۔ جیسے
آتشِ تہ ہی پی رہا ہوں مَیں

○

اب جبیں پر ہیں کیوں شِکن پہ شِکن ؟
کیوں زباں اب ہے بے طرح خاموش ؟
اِس کا کوئی سبب ؟ کوئی باعث ؟
کیوں نہیں اب وہ آنکھیں بادہ فروش ؟

○

تیرے جور و سِتم ہیں جاں پرور
ورنہ ہم جان سے گزر جاتے
نبض تھم جاتی ۔ سانس رُک جاتی
اور بے آئی موت مر جاتے

○

جاں گسل ہے یہ بے رُخی تیری
کیا کہوں؟ کس قدر مَیں بے دل ہوں
مجھ پہ بھی اِک نظر عنایت کی
مَیں بھی کب سے شریکِ محفل ہوں

○

آپ اُدھر وہ کہ جاں نثاروں پر
رات دن ظلم و قہر ڈھاتے ہیں
ہم اِدھر یہ کہ دشمنوں کو بھی
دِل و جاں سے گلے لگاتے ہیں

○

ہم کو مکر و رِیا گوارا ہے
ظلم و جور و جفا گوارا ہے
بے وفائی کہ بے رُخی۔ کچھ ہو
اب تری ہر ادا گوارا ہے

○

اُس نے دیکھا تھا اتفاقاً اِدھر
ساری دُنیا حسد سے جلنے لگی
میری آغوشِ دل میں۔ اے شیدؔا!
حسرتِ دید اَور پلنے لگی

○

کیا بتائیں کہ اُن کی فرقت میں
کس طرح رات دن گزُرتے ہیں؟
وہ بھی یاد آ رہے ہیں رہ رہ کر
ہم جو رہ رہ کے یاد کرتے ہیں

○

خاک اُڑنے لگی ہے۔ اے شیدؔا!
دشت سے بھی سوا ہے صحنِ چمن
اُس گُلِ مہروش کی فرُقت میں
شامِ غربت ہے میری صبحِ وطن

○

بُلبلیں نغمہ زن ہیں گُلشن میں
رقص میں آ رہی ہے بادِ صبا
لیکن اُن کے بغیر یہ رُت بھی
میرے حق میں ہے جان کا آزار

○

رُوح پرور ہے تیرا حُسن وجمال
کر سکے وصف کون؟ کس کی مجال
کِس سے اِس کی مثال دے کوئی؟
بالیقیں تُو ہے آپ اپنی مثال

۱۲۔ کیفیّتِ احساس

○

کب فدا ہُوں مَیں غنچہ و گُل پر؟
کب مَیں طالب ہُوں لالہ زاروں کا؟
جو فریبِ نظر ہوں۔ اے شیدا!
کیا بھروسہ ہے اُن بہاروں کا؟

○

عشق میں جو بلائیں آتی ہیں
یہی لازم ہے ہنس کے سب سہیئے
ہجر میں دل پہ جو گزُرتی ہے
بھُول کر بھی کسی سے کیوں کہیئے

○

مصلحت سے مجھے نہیں رغبت
خار کو گُل کہوں مَیں؟ ناممکن!

مجھ کو نفرت ہے اس سیاست سے
زہر کو مُل کہوں مَیں ؟ ناممکن !

○

عارضی ہے یہ مختصر سی ہے
اپنی ہستی پہ اعتبار نہ کر
یہ نہیں جاوداں۔ یہ فانی ہے
اِس کی سب خوشیاں ہیں طلسمِ نظر

○

غم کے طوفاں میں مُسکراتے ہیں
کیف میں جھومتے ہیں۔ گاتے ہیں
وہ جو مرتے ہیں عشقِ صادق پر
کب شکایت زباں پہ لاتے ہیں؟

○

دل اگر رنگ و بُو ہے ہو معمور
خار بھی تو نہیں گلاب سے کم

آنکھ پُرنور ہو اگر بیدار!
کب ہیں ذرّے بھی آفتاب سے کم؟

○

شبِ تاریکِ ہجر میں کیا غم؟
سو طرح کے چراغ جلتے ہیں
جو نہیں شمعِ قدرِ مہ۔ نہ سہی
میرے سینے میں داغ جلتے ہیں

○

اب ہے محرومِ کیف ہر منظر
اب کہاں وہ شباب و حسنِ چمن؟
اب وہ طوفانِ رنگ و بو ہی نہیں
اب کہاں وہ بشاشتِ گلشن؟

○

موت چارہ ہے غم کے ماروں کا
سینہ چاکوں کا۔ دلِ فگاروں کا

یہ بھی دامن اگر بچا جائے
کون پُرساں ہے بے قراروں کا؟

○

ظُلمتِ جادۂ محبّت میں
کب سے تنہا بھٹک رہا تھا دِل!
کرَم گُم رہی سے اے رشید!
رکھچ کے خود آگئی مری منزل

○

عشقِ سوز آفریں کی دُنیا میں
چاندنی بھی سیاہ ہوتی ہے
یوں تو ہنستی ہے کوئی بیوہ مگر
رات دن دِل ہی دِل میں روتی ہے

○

درد میں پُرسکوں۔ طرب میں ملول
ہِجر میں شاد۔ قُرب میں پُرغم

رنج میں خوش۔ خوشی میں رنجیدہ
دِل کا عالم ہے کچھ عجب عالم!

○

عشق اک ایسا کھیل ہے۔ جس میں
دُکھ پہ دُکھ جھیلنا ہی پڑتا ہے
ہم نے دیکھا ہے۔ اِس میں آخر کار
جان پر کھیلنا ہی پڑتا ہے

○

زخم کھا کر بھی مسکراتا ہوں
مسکرا کر بھی زخم کھاتا ہوں
سازِ رنج والم کے تاروں پر
میں مسرت کے گیت گاتا ہوں

○

لاکھ ہو سامنا مصائب کا
رہتے ہیں اِن پہ خندہ زن ہم تو

باوجود اِس کے حضرت شیدؔا!
اپنی تقدیر میں رہے غم۔ تو؟

○

پھولتا ہے تُو کس مسرّت پر؟
خندۂ گُل پہ روتی ہے شبنم
پھولتا ہے تُو۔ اے دلِ ناداں!
ہر خُوشی دہر کی ہے غم ہی غم

○

وہ بھی عالم خوشی کا تھا۔ شیدؔا!
دُور سے بھی ہوا تھے سائے مجھے
مجھ سا غم دوست اب نہیں کوئی
کھائے جاتے ہیں غم پرائے مجھے

○

ہم نشیں! بار بار نہ پُوچھ
حال اب یہ ہے ترکِ اُلفت پر

جان رہ رہ کے لب پہ آتی ہے
یاد آتے ہیں جب وہ رہ رہ کر

○

غمِ دشمن میں سوگوار ہوں میں
غیرِ مضطر ہو۔ بے قرار ہوں میں
کوئی بھی ہو رہینِ رنج و محن
سب کی آفت میں اشک بار ہوں میں

○

مضطرب دل ہے۔ دَم نہیں دم میں
بے قراری سی بے قراری ہے!
اب تو کافور ہے اُمیدِ سحر
اُف! شبِ ہجر کتنی بھاری ہے!

○

فرش پر پی رہا ہے جو آنسو
عرش پر بھی وہ غم ہی کھائے گا

جس کو تسکیں زمین پر نہ ملی
آسماں پر بھی خاک اُڑائے گا

○

خُوب ہیں دل ستاں کنارے بھی
کم نہیں کچھ بھنور بھی دھارے بھی
بہہ کے دیکھ ان میں بھی ذرا۔ اے دل!
روح پرور ہیں یہ نظارے بھی

○

شبِ فرقت دراز۔ اتنی دراز!
سحر آتی نظر نہیں آتی
اُن کی کیا؟ آج ہم کو اپنی بھی
خبر آتی نظر نہیں آتی

○

ہجر کی اندھی رات میں شیدا
شاعری ہے جو کام آتی ہے

جیسے جلوت میں کوئی دوشیزہ
غمِ فرقت پہ مُسکراتی ہے

○

ایک بُت کو خُدا سمجھتا ہُوں
آہ مَیں کسی کو کیا سمجھتا ہُوں!
سادہ لوحی مری ہے قابلِ رحم
درد کو مَیں دَوا سمجھتا ہُوں

○

بحرِ اُلفت میں کب سے بہتا ہُوں
موجِ غم کے تھپیڑے سہتا ہُوں
موت کا گھاٹ رُو برُو ہے مگر
مَیں مسرّت میں محو رہتا ہُوں

○

دِل شکن ہے حکایتِ فُرقت
کہنا چاہوں تو کہہ نہیں سکتا

چُپ بھی سوہانِ رُوح ہے پیدا!
آہ! میں چُپ بھی رہ نہیں سکتا

○

یہ بھی اندازِ گفتگُو ہے۔ مگر
کون سمجھے زبانِ خاموشی؟
لبِ خاموش بھی ہے نغمہ سرا
کون سمجھے بیانِ خاموشی؟

○

گُل ہی کھِلنے لگے ہیں گُلشن میں
کتنی مسمُوم سی ہوائیں ہیں
اب وہ طُوفانِ رنگ و بُو ہے کہاں
کتنی مغمُوم سی فضائیں ہیں

○

خواب میں بھی نہ تھا گماں اِس کا
دل جب آئے گا۔ جان جائے گی

ہاتھ دھونے پڑیں گے ہستی سے
جب طبیعت کسی پر آئے گی

○

شوقِ دیدار نے لگائے ہیں پر
سُوئے منزل چلا ہُوں مَیں اُڑ کر
راہ کا ہی پتہ ۔ نہ کوئی خبر
کچھ نشان تک نہیں ہیں پیشِ نظر
کیا کہُوں ؟ کیا ہو اب مآلِ سفر؟
بڑھنا مشکل ہے ۔ مُڑنا مُشکل تر

○

اُن کی بے اعتنائیوں پر بھی
بس اُنھیں کا خیال رہتا ہے
آنکھیں محرومِ دید ہیں ۔ پھر بھی
دل میں نقشِ جمال رہتا ہے

○

کس نے یہ کیف زا غزل گائی؟
دِل تڑپ اُٹھا۔ آنکھ بھر آئی
ایسا محسوس ہو رہا ہے مجھے
جیسے بجتی ہو دور شہنائی

○

عشق کی آفتوں کا ڈر کیسا؟
مجھ کو غم باعثِ مسرت ہیں
آتشِ ہجرِ یار کے شعلے
مرے حق میں بہارِ جنت ہیں

۱۳- معرفت

○

غنچہ و گل ہوں یا ہوں برگ و بار
سرو سبزہ ہوں یا ہوں خار و خس
چشمِ وحدت نگر میں، اے رشید!
ایک ہی سے ہیں۔ ایک ہی سے بس

○

دُور تک ظُلمتوں کے سائے میں
راہِ منزل نظر نہیں آتی
ہو گئے خِضر بھی گُم۔ اے رشید!
اُن کی بھی کچھ خبر نہیں آتی

○

عشق کی رفعتِ کمال نہ پُوچھ
اب کہاں امتیازِ کُفر و دِیں؟
اب نہیں خوفِ آتشِ دوزخ
اب نہیں آرزوئے خُلدِ بریں

○

جب سے خضرِ بصیرِ رہ بر ہے
جو بھی رہ گیر ہے وہ مضطر ہے
کھینچتی جاتی ہے دُور تک منزل
کارواں مضطرب ہے ششدر ہے

○

اب کسے فکر دین و دُنیا کی؟
اب کسے شوقِ گُلستانِ جہاں؟
اب مجھے جستجو ہے خود اپنی
اب کسے آرزوئے ہر دو جہاں؟

○

مجھ کو لے ڈُوبی آرزو میری
آپ کی آرزو مَیں کیا کرتا؟
خود رہا اپنی جستجو ہی میں گم
آپ کی جستجو مَیں کیا کرتا؟

○

جس کے آگے ہے غیریت عنقا
اور ہی شے ہے وہ مئے توحید
رنگِ الحاد و شرک اُڑ جائے
اس کی اک بوند ہی سے کب ہے بعید؟

○

کم ہے ذرّے سے بھی مری ہستی
اِس کی رفعت ہے سر بسر پستی
عارضی ہے سراسر اس کا نشہ
دیر پا کب ہے اس کی سرمستی؟

○

خود ہی گم ہیں پہنچ کے منزل پر
رہ نماؤں کی خیر ہو۔ یا رب!
ہوتے جاتے ہیں غرق ساحل پر
ناخداؤں کی خیر ہو۔ یا رب!

○

اُلٹی چلنے لگی ہیں رہ رہ کر
کیا نبچے کوئی اِن ہواؤں سے؟
تنگ ہو جن سے خضر بھی رشیدا!
دُور دُور ایسے پیشواؤں سے

○

ظلمتِ راہ میں وہ کیا پائے
سرد ہو جس کے داغِ دِل کا چراغ؟
اپنا بھی جس کو کچھ پتہ نہ مِلا
خاک ملتا اُسے کسی کا سُراغ

○

کیا بھروسہ ہے عمرِ فانی پر؟
کیا بھروسہ ہے عمرِ فانی کا؟
اعتبار، اور زندگانی پر!
اعتبار، اور زندگانی کا!

○

ناخدا تو کوئی خدا تو نہیں
یہی گرداب بھی ہے راحتِ جاں
لبِ ساحل کے سبز باغ یہ کیوں؟
لبِ ساحل بھی اُٹھتے ہیں طوفاں

○

خاک اُڑے جب خود اپنی دُنیا میں
مہر و پروین و ماہ سے مطلب؟
ہو مکدّر اگر فضا اپنی
آسمانوں کی راہ سے مطلب؟

○

روز افزوں ہو جس کی سرمستی
ساقیا! اب وہ لالہ فام پلا
ماسوا کا خیال تک نہ رہے
مجھ کو مجھ سے ملا دے۔ بہرِ خدا!

O

رہ گیا ہوں میں یکہ و تنہا
راہ پر بھی نہیں شریکِ سفر
کارواں تک نظر سے اوجھل ہے
اپنی ہی اب مجھے نہ اُن کی خبر

O

عزمِ پختہ ، یقینِ کامل کو
کوئی مشکل نہیں کبھی مشکل
جذبۂ جوشِ عمل سے زیرِ قدم
کھنچ کے آتی ہے خود بہ خود منزل
ہے مقدّر انھیں کو ناکامی
جو رہیں اپنے فرض سے غافل

O

ہے پیامِ خزاں ، پیامِ بہار
اِس سے افسردہ کیوں ہے؟ اے دلِ زار!

چشمِ روشن پہ جلوہ گر ہے یہ راز
شبِ تیرہ ہے صبح پُر انوار

○

چشمِ باطن سے دیکھ گُلشنِ دہر
جو کلی ہے یہاں ۔ ہے غیرتِ حُور
شیخ! جنّت کے سبز باغوں پہ
کس لئے ہو رہا ہے تو مسرور؟

○

سُو بہ سُو جستجو سے کیا حاصل
جب نظر راہ پر نہیں آتی
وہ نہیں دیدہ ور۔ جسے شیدا!
اپنی صورت نظر نہیں آتی

○

ظاہری آنکھ میں تو دُنیا ہے
دِل کُشا ۔ دِل فروز ۔ دِل آرا

باطنی آنکھ سے اگر دیکھو
ہر چمک دار شے نہیں سونا

○

عیش و آرام اِس زمانے کے
سب کے سب غم مآل۔ رنج انجام
کیفِ صہبا ہو یا سرورِ شباب
ایک کو بھی نہیں بقائے دوام

○

بے خودی کا یہ کیسا عالم ہے!
کوئی رہ گیر ہے نہ ہے رہبر
آ گئی کب کی منزلِ مقصود
اور مَیں ہوں کہ پھر بھی محوِ سفر

○

ہم نے ہر رنگ میں اِسے دیکھا
زندگی کیا ہے؟ محض مکر و رِیا

عشق ہو یا ہوس ہو۔ عین فریب
وہم و افسون و خواب۔ صدق و صفا

○

دیکھیئے میری گردشِ تقدیر
جس کے چکر میں ہیں خود ارض و سما
یہ سب اس کی۔ اسی کی ہے تاثیر
ہے فضا میں جو ظلمت اور ضیا

○

دیر و کعبہ ہوں۔ کفر و ایماں ہوں
میری منزل ہے ماورے سب سے
جنّت و عرش سے غرض نہ رہی
میرا مرکز ہوئی "خودی" جب سے
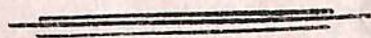
۱۴۔ مناظرِ فطرت

○

جس طرح بطنِ ظلمتِ شب سے
صبحِ نو آشکار ہوتی ہے
اُس طرح پردۂ خزاں سے عیاں
رُوحِ فصلِ بہار ہوتی ہے

○

موجِ بادِ نسیم کے دم سے
رنگ و بُو میں نہا رہی ہے فَضَا
گھر کیئے جا رہی ہے رہ رہ کر
دلِ مضطر میں بھی چمن کی ادا

○

گلستاں ہی کا ذکر کیا؟ شیدؔا!
دشتِ و صحرا میں بھی بہار آئی

قابلِ دید ہے بہر پہلو
حُسنِ فطرت کی جلوہ آرائی

○

مسکرانے لگی فسردہ کلی
سرسرانے لگی نسیمِ بہار
چونک اُٹھا خوابِ ناز سے سبزہ
لہلہانے لگا رُخِ گل زار
کتنا دل کش ہے منظرِ گلشن
تان اُڑاتے ہیں عندلیب و ہزار

○

آسماں میں جمالِ تاج محل
نیلے پانی میں رقص کرتا کنول
ایسا منظر ہے جیسے کوئی حسیں
گا رہی ہو کوئی شگفتہ غزل

○

موجِ بادِ صبا کا ہے ایثار
رشکِ گُل ہے چمن کا اِک اِک خار
دامنِ دشت بھی ہے غیرتِ خُلد
ہر طرف ہے جہاں میں رقصِ بہار

○

یہ ہوا ۔ یہ رُت اور یہ ساون
ناچتی ہے بہار پھُولوں میں
لوک گیتوں کی جیسے مست ندی
گا رہی ہے "ملھار" جھُولوں میں

○

دَم سے بادِ صبا کے دشت میں بھی
غُنچے ہنستے ہیں ۔ گُل سنورتے ہیں
صحنِ گلشن کا رنگ ! کیا کہنا !
برگ و بر ، خار و خَس نکھرتے ہیں

ہلکی ہلکی سی پڑ رہی ہے پھوار

لہلہاتے چمن کے پھولوں پر

دیدنی ہے بہار کا یہ رنگ

رقص میں ہے "بہار" جھولوں پر

صبحدم اک نسیم کا جھونکا

سوتی کلیوں کو یوں جگاتا ہے

جس طرح کوئی پیچھے سے آ کر

اک حسینہ کو گدگداتا ہے

کیف۔ مستی۔ سرور اور نشہ

لائی ہے اپنے ساتھ فصل بہار

باغ میں جھومتی ہے اک اک شاخ

جیسے مے خانے میں کوئی میخوار

○

اُف! یہ آغازِ موسمِ گُل یار!
بے خبر ہیں ابھی سے دیوانے
اپنے جوشِ شباب میں رشید!
گُل کھلائے بہار کیا جانے؟

○

ظلمتِ شب کا ہے یہ لُطف و کرم
شمع رونق ہے انجمن کے لئے
کانٹے بھی تو نہیں ہیں بے مطلب
پھول اگر ہنستے ہیں چمن کے لئے

۱۵- مُتفرّق

زبانِ اُردُو

کتنی شیریں زبان ہے اُردُو!
حُسن و اُلفت کی کان ہے اُردُو
ہر کوئی اس پہ جان دیتا ہے
ہر کسی کی یہ جان ہے اُردُو

○

یہ زباں ہے فصیح اور بلیغ
کیوں نہ ہو احترام اُردو کا؟
عرش سے بھی بلند ہے شیدا!
اللہ اللہ مقام اُردُو کا!

○

شبِ فُرقت

شبِ فُرقت دراز ہے کتنی!
شبِ فُرقت سحر نہیں ہوتی
نالہ بھی با اثر نہیں ہوتا
آہ بھی بارور نہیں ہوتی

○

دِل کا مرض اِس کا کوئی علاج ؟ ناممکن!
جان لیوا ہے یہ مرض دِل کا
چارہ سازو! یہ موت کا ہے پیام
پیش خیمہ ہے سرِ بسمل کا

○

باتیں ہی باتیں دِل میں عشق و وفا کا نام نہیں
لب پہ عشق و وفا کی باتیں ہیں
اِن کو کیوں کر کہو گے صِدق و صفا؟
کب یہ صِدق و صفا کی باتیں ہیں؟

○

وہ اور ہم ہم نے غم کھائے جن کے ہنس ہنس کر
وہ بھی رہ رہ کے ڈھائے ہیں ستم
اُن کے دَم سے بنی ہے وہ دَم پر
ہم نشیں! آ چلا ہے ناک میں دَم

○

ہم اور وہ

ہم ہیں پابند راہِ صدق و صفا
وہ فریب و دغا کے خوگر ہیں
فتنہ و شر ہے اُن کی فطرت میں
ہم طریقِ وفا کے رہبر ہیں

○

عالمِ عشق

اب یہ عالم ہے عشق میں رشیدا
میری ہستی پہ چھا رہا ہے کوئی
جب ہوا سنکے۔ تو سمجھتا ہوں
تان جیسے اُڑا رہا ہے کوئی

○

طیّارہ

دیکھیئے تو ہوا میں طیّارہ
کس طرح آج مارتا ہے پَر
جس طرح ہو سوار کوئی عقاب
آسماں میں ہوا کے کندھوں پر

○

خدمتِ خلق

خدمتِ خلق ہے بنائے خوشی
خدمتِ خلق غم نہیں ہے مجھے
خدمتِ خلق فرضِ اقدس ہے
خدمتِ خلق عینِ دیں ہے مجھے

○

طبعِ لطیف

حق نے دی ہے مجھے وہ طبعِ لطیف
جو سمجھتی ہے قہر کو بھی کرم
جب سکوں بخش ہو پرائی آگ
کیوں نہ اپناؤں غیر کے بھی الم؟

○

دہرِ فانی

دہرِ فانی کی ہر خوشی فانی
اِس پہ کیوں پھولتا ہے ہائے شیدا!
دہرِ فانی کی ہر خوشی فانی
اِس پہ کیوں جھولتا ہے؟ اے شیدا!

○

آ بھی جا!

کیا خبر، کب بہارِ عالم میں
عالمِ رنگ و بُو رہے نہ رہے
میری جانِ نظر! اب آ بھی جا!
دل میں پھر آرزو رہے نہ رہے

○

عشق کی نظر

نازنیں اور مہ جبیں ہو جائے
دل رُبا اور دِل نشیں ہو جائے
عشق کی بھی نظر کا کیا کہنا!
جس پہ اُٹھے وہی حسیں ہو جائے

○

حیاتِ عشق

رات دن وقفِ یاس رہتی ہے
رنج اُٹھاتی ہے۔ صدمے سہتی ہے
سخت جان ہے حیاتِ عشق حزیں
پھر بھی موجِ طرب میں بہتی ہے

○

فسردہ دِلی

اب وہ نکہت کہاں بہاروں میں
حسنِ فطرت کے جلوہ زاروں میں؟
رنگ لائی مری فسردہ دلی
اب وہ نزہت کہاں نظاروں میں؟

○

اب ہیں بے رنگ و نور ارض و سما
بُو چمن میں، نہ حسن تاروں میں
دل کے بجھتے ہی کچھ کشش نہ رہی
گُل عذاروں میں۔ ماہ پاروں میں

○

دِلِ شیدا

دلِ شیدا ہے بے طرح بے تاب
مضطرب مثلِ ماہئ بے آب
ہاں۔ یہی محض اک قطرۂ خوں
ہو گیا رشکِ قطرۂ سیماب

○

زندگی

اُف یہ اندوہ۔ درد۔ سوز۔ ملال!
آمد و شُد نفس کی آفت ہے
یہ ستم! یہ جفا! یہ ظُلم! یہ قہر!
زندگی ہے کہ اک قیامت ہے!

○

دیوانگیٔ دِل

میرا دل سر بسر ہے دیوانہ
کون کہتا ہے اس کو فرزانہ؟
حُسن کے دل فریب وعدوں پر
ہوتا جاتا ہے غم سے بیگانہ

○

وہ انسان کیا؟

جس کو رغبت ہے محض شہرت سے
مال و دولت سے۔ شان و شوکت سے
وہ بھی انسان کیا ہے؟ اے شیدا!
جس کو اُلفت نہیں صداقت سے

○

عشق کی اِبتدا و اِنتہا
اِبتدا عشق کی ہے رُوح فزا
انتہا دل شِکن ہو ۔ کیا معلوم؟
دِل لگی ہو نہ جائے دل کی لگی
جان پر کیا بنے؟ یہ نامعلوم

○

ہماری جان نثاری
دِل وجاں کے مخالفوں پر بھی
ہم دل و جاں نِثار کرتے ہیں
جس عقیدت سے حضرتِ شیدا!
پھُول کانٹوں سے پیار کرتے ہیں

○

میری کیفیّت
دِل رہینِ عتاب ہے ۔ مَیں ہُوں
جان وقفِ عذاب ہے ۔ مَیں ہُوں
رُوح پُر اضطراب ہے ۔ مَیں ہُوں
اب غمِ بے حساب ہے ۔ مَیں ہُوں

○

میری شانِ عشق

وقفِ جور و جفا ہے دِل میرا
رہنِ رنج و بلا ہے جان مری
پھر بھی دل اور جان شاداں ہیں
عشق میں دیدنی ہے شان مری

○

ہم لوگ

غم کے سرمایہ دار ہیں ہم لوگ
رنج سے ہم کنار ہیں ہم لوگ
ہر خوشی کی ہنسی اُڑاتے ہیں
کس قدر باوقار ہیں ہم لوگ!

○

کوئی مومن ہو یا کوئی کافر
سب کے خدمت گزار ہیں ہم لوگ
کوئی منکر ہو یا مقر کوئی
سب پہ دل سے نثار ہیں ہم لوگ
دیکھیئے تو ہمارا نصب العین
کتنے اُلفت شعار ہیں ہم لوگ!

○

خود داری

مجھ کو تائید سے غرض کیسی؟
مجھ کو تردید سے غرض کیسی؟
اپنا ہی خضرِ رہ ہوں میں رشیدا!
مجھ کو تقلید سے غرض کیسی؟

○

کسی کی یاد

دل شکن کیوں نہ ہو کسی کی یاد؟
رُوح فرسا ہے رنجِ تنہائی
اور بھی بڑھ گیا غمِ فرقت
مے کشی بھی نہ مجھ کو راس آئی

○

چار دن کی چاندنی

دِل کشا۔ جاں فزا ہواؤں پر
کیف زا۔ غم رُبا گھٹاؤں پر
چار دن کی ہے چاندنی یہ بہار
جا نہ اِن پُر کشش فضاؤں پر

○

ہمارا عقیدہ

دُشمنوں سے بھی ہے ہمیں اُلفت
دُشمنوں پر بھی جان واریں گے
ہو اگر کوئی برسرِ پیکار
موت کے گھاٹ اُسے اُتاریں گے

○

عہدِ حاضر

جو ہیں علم و ہُنر سے بے بہرہ
اُن کو سب سرفراز مانتے ہیں
لیکن اہلِ کمال کو دیکھو
آج در در کی خاک چھانتے ہیں

○

حُسنِ آمد

دِل مرا بے طرح ہے آزُردہ!
اِتنا افسُردہ ہے کہ بس مُردہ!
پھر بھی "آمد" ہے داد کے قابِل
کوئی مصرع نہیں ہے "آوردہ"

○

شبِ ہجراں

گِنتا جاؤں اب کہاں تک تارے؟
آنکھوں میں بھی بسر نہیں ہوتی
شمع گُل ہوتی جا رہی ہے۔ مگر
شبِ ہجراں! سحر نہیں ہوتی

○

غمِ جاناں

غمِ جاناں کے لُطف؟ کیا کہنا!
لاکھ خوشیاں بھی ہوں تو اِس پہ نِثار
صحنِ گلشن کی بھی بہار۔ بجا!
غمِ جاناں کی اور ہی ہے بہار

○

طِلسمِ ہوش رُبا

جس کو کہتے ہیں لوگ صِدق و صفا
وہ بھی کیا ہے؟ فقط فریب و دغا
مُجھ سے پُوچھو تو مَیں کہوں رشیدا!
دہر کیا ہے؟ طلسمِ ہوش رُبا

○

دِلِ فسُردہ

محفلِ کائنات میں۔ شیدا!
جلوۂ فطرت آشکارا ہے
کیا کروں میں دلِ فسُردہ کو،
ہر طرف حُسن گو دلآرا ہے؟

○

ہمارا استقلال

کوئی دیکھے ہمارا استقلال
کھا کے غم، اشک پی رہے ہیں ہم
دم لبوں پر ہے۔ جان آنکھوں میں
پھر بھی جیتے ہیں۔ جی رہے ہیں ہم

○

زاہد سے

عالمِ بے خودی میں۔ اے زاہد!
غم کا احساس کس کو رہتا ہے؟
آتش تیز ہے تلخ۔ تلخ سہی
دِل تو موجِ طرب میں بہتا ہے

○

بے معنی

غمزدہ دل کے واسطے شیدا!
جوشِ فصلِ بہار، بے معنی
جلوۂ سبزہ و گل و غنچہ
نغمہ ہائے ہزار، بے معنی
ساحلِ جوئے بار بے مطلب
دامنِ کوہسار، بے معنی
ایک اک شاہکار فطرت کا
بے کشش۔ بے وقار۔ بے معنی
الغرض خلقتِ جمیلِ جہاں
صنعتِ کردگار بے معنی

○

اس کا خیال

ترکِ الفت کے بعد بھی شیدا!
دِل میں اُس کا خیال آتا ہے
جیسے ابرِ سیہ کے دامن میں
جلوۂ برق مسکراتا ہے

عشق کی کائنات

یوں تو ہے وہ بیان سے باہر
اور سوچیں تو بات اتنی ہے
چند سرد آہیں۔ چند گرم آنسو
عشق کی کائنات کتنی ہے!

یاد

میرے دِل میرے غم زدہ دِل میں
ایک مہ رُو کی یاد آتی ہے
شبِ فُرقت کی گہری ظُلمت میں
چاندنی جیسے جھلملاتی ہے

حیرت

آرزُو، عارضی مسرّت کی
غمِ ہستی پہ مُسکراتی ہے
جیسے بُجھتے ہوئے چراغ کی لَو
چاند کا مضحکہ اُڑاتی ہے